بھارت کی لوک کہانیاں
پبلیکیشنز ڈویژن
گورنمنٹ آف انڈیا

بھارت کی لوک کہانیاں

جولائی ۱۹۵۶ء

قیمت ایک روپیہ

(ایسٹرن پرنٹنگ پریس دہلی)

پبلیکیشنز ڈویژن
منسٹری آف انفارمیشن اینڈ براڈکاسٹنگ
گورنمنٹ آف انڈیا

دیباچہ

بھارت لوک کہانیوں کا خزانہ ہے۔ ہمارے دیس میں آریہ اور قدیم باشندوں کے آپس کے تمدنی تعلقات کے سبب ملی جلی صورت میں کہانیوں کا ایک جال سا بچھا ہوا ہے۔ شمالی بھارت میں جن کہانیوں کا رواج ہے وہی ہمیں جنوبی بھارت، کشمیر یا پنجاب میں بھی تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ سننے کو ملیں گی۔ ایسی حالت میں یہ کہنا مشکل ہے کہ کسی خاص کہانی کا آغاز کس ریاست سے ہوا۔ فقط اس کی بنیادی باتیں یا عام لوگوں کی زندگی کی چھاپ ہی اس کے آغاز کی جگہ کا فیصلہ کرنے میں معاون ہے۔ اس بارے میں ایک عالم کا کہنا ہے کہ دنیا میں سب جاندار اور بے جان چیزیں جس طرح نوے کے لگ بھگ بنیادی عنصروں کو لے کر بنی ہیں۔ اسی طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ تھوڑے سے بنیادی پلاٹ اور گُن ہیں جن کے آپس کے میل جول سے ہماری تمام کہانیاں بنی ہیں اور ہمیشہ بنتی رہیں گی۔

ان لوک کہانیوں سے بھارت کا دامن بھرپور ہے۔ ویدک زمانے کی بے شمار لوک کہانیوں کا سنسکرت، پراکرت، پالی، اپ بھرنش اور صوبائی زبانوں میں بھنڈار بھرا ہوا ہے۔ یہ کہانیاں پرانی ہوتی ہوئی بھی نت نئی ہیں۔ ان میں عوام کی سماجی زندگی اور ان کے کام کی تاریخ سمائی ہوئی ہے۔ رفتہ رفتہ عام لوگوں کے دلوں پر ان کہانیوں کی نئی تہہ جمتی چلی گئی اور وہی پرانی کہانیاں نئی صورت اختیار کر کے نئے سماج کی چھاپ لے کر پھر نئے روپ میں ظاہر ہوئیں۔ پرانے قصہ خوانوں میں ہماری نانی، دادی اور بوڑھے بزرگوں نے انھیں سنبھال کر رکھا۔ اور پختہ کرنے میں پوری مدد دی۔

انیسویں صدی میں مغربی عالم مہا بھارت، جاتک، پنچ تنتر، جین کہانیوں اور کتھا،

سرت ساگر کا مطالعہ کر کے تعجب میں پڑ گئے۔ ان کی یہ رائے تھی کہ بھارت کی یہ پرانی کہانیاں دنیا بھر کی کہانیوں کا سرچشمہ ہیں۔

مسٹری واسدیو شرن اگروال کے نظریہ میں لوک کہانیاں مختلف صورتوں میں عوام کی زندگی کی چھاپ لئے ہوئے ہیں۔ شروع ہی سے وہ ہمارے ساتھ ہیں۔ دیس میں ہر جگہ ان کی پوری قدر ہے۔ انسان کے سکھ دکھ، پیار، دھوکا، بہادری، دوستی اور دشمنی ان سب نے مل کر لوک کہانیوں کو جنم دیا ہے۔ رہن سہن، رسم ورواج، مذہبی عقیدے، پوجا پاٹ، ان سب سے کہانی کا ٹھاٹھ بنتا اور بدلتا رہتا ہے۔ کہانی انسان کے لئے انوکھی تفریح کا ذریعہ ہے۔ دماغی تھکاوٹ کو دور کرنے کے لئے کہانی انسانی سماج کے لئے پرانی اکسیر ہے۔ آج بھی اس کے فائدے سے اور اس کی دلچسپی میں فرق نہیں پڑا ہے۔

دیکھا جائے تو لوک کہانیاں ہی ادبی کہانیوں کی ماں ہیں۔ صدیوں سے یہ کہانیاں انسانوں کا دل بہلاتی آ رہی ہیں۔ انسان کے دل میں دلچسپی کا جو جذبہ ہے اسے کہانی پڑھنے یا سننے سے تسکین ملتی ہے۔ امید ہے کہ یہ کتاب بھی اپنے اس مقصد کو پورا کرنے میں کامیاب رہے گی۔

فہرست

مُبارک علی

مدھیہ پردیش کی لوک کہانی

تکلی کی پیدائش

سورگ میں ایک دیوی رہتی تھی ۔ اس کا نام پھرکی تھا
وہ بُنائی کا کام اتنی ہوشیاری سے کرتی تھی کہ کچھ نہ پوچھئے
جس وقت ہاتھ میں تیلیاں لے کر بیٹھتی تھی بات کی بات
میں بڑھیا سے بڑھیا سوئٹر بنیان مفلر وغیرہ بُن کر
رکھ دیتی تھی اس لئے دور دور تک اس کی تعریف
ہو رہی تھی پھرکی کی شہرت ہوتے ہوتے رانی کے کانوں
تک پہنچی ۔ ․․ اپنی تمام بیٹیوں کو بُنائی کا کام سکھانا چاہتی
تھی اور بہت دن سے ایک ایسی ہی ہوشیار دیوی کی
تلاش میں تھی اُس نے اپنی سہیلیوں سے کہا — "سُنتی
ہوں پھرکی بہت ہوشیاری سے بُنائی کا کام کرتی ہے ۔ ایک

تو اُسے بُلوا لوں وہ یہیں رہے گی اور راجکماریوں کو بُنائی سلائی سکھلایا کرے گی۔

ایک سہیلی کچھ سوچ کر بولی ۔" اس بات کا کیا بھروسہ کہ سلائی بُنائی کے کام میں اکیلی پھرکی ہی سب دیویوں سے زیادہ ہوشیار ہے ۔ میری بات مانئے ایک جلسہ کر ڈالیئے جس میں سلائی بُنائی کا کام جاننے والی سب دیویاں آئیں اور اپنا اپنا ہُنر دکھائیں ۔ جو سب سے بازی لے جائے وہی پہلا انعام پائے اور ہماری راجکماری کو بھی ہُنر سکھائے ۔

رانی کو یہ صلاح بہت پسند آئی ۔ اُس نے فوراً جلسہ بُلانے کا فیصلہ کر لیا اور اُسی دن سارے سورگ میں منادی کروا دی ۔ ٹھیک وقت پر جلسے میں سلائی بُنائی کا کام جاننے والی سینکڑوں دیویاں آ پہنچیں اور لگیں اپنے ہاتھوں کی صفائی دکھانے آخر پھرکی بازی لے گئی رانی نے سہیلیوں کی صلاح سے اُسے ہی پہلا انعام دیا ۔ پھر اس سے کہا ـــ " بس اب تمھیں یہاں وہاں بھٹکنے کی ضرورت نہیں ۔ آج سے تم میری سہیلی ہوئیں ۔ مزے سے یہیں رہو اور راجکماری کو بُنائی سلائی سکھایا کرو ، سمجھیں ؟ "

اس طرح پھرکی کی قسمت جاگ اُٹھی وہ رانی کے

پاس رہنے لگی۔ راجکماریاں ہر روز تھیلیاں، سوت، کپڑا، قینچی، سوئی دھاگا وغیرہ لے کر اس کے پاس جا بیٹھتیں اور وہ انھیں بڑی محنت سے سلائی بنائی کا کام سکھایا کرتی۔ رانی اس کا کام دیکھتی تو بہت خوش ہوتی اور اسے ہمیشہ انعامات سے نوازا کرتی

رفتہ رفتہ پھرکی مالا مال ہوگئی وہ سوچنے لگی۔ "رانی کی مہربانی ہے ہی۔ مال کی بھی کوئی کمی نہیں رہی ہے۔ سلائی بنائی کا کام بھی میں سب سے اچھا جانتی ہوں۔ اب سورگ میں ایسی کون سی دیوی ہے جو میرا مقابلہ کر سکے۔" بس اس کا غرور جاگ اٹھا پھرکی کا سر پھر گیا وہ اب اور تو اور رانی کی سہیلیوں سے بھی سیدھے منہ بات نہ کرتی۔ پھرکی کا یہ سلوک رانی کی سہیلیوں کو بہت ناگوار گزرا ایک دن انھوں نے رانی سے شکایت کی۔ "پھرکی کو تو آپ نے خوب سر چڑھایا ہے۔ اب تو وہ کسی سے بھی سیدھے منہ بات نہیں کرتی۔ جب دیکھو غرور سے منہ پھلائے رہتی ہے۔ آپ ہی بتائیں وہ اب ہمارے سورگ میں کس طرح رہ سکتی ہے۔"

سنتے ہی رانی آگ بگولا ہوگئی۔ بولی۔ "ایں کہتی کیا ہو؟ پھرکی غرور کرنے لگی ہے۔ پھر تو وہ دیوی ہی نہیں رہی اور جو دیوی نہیں ہے سورگ میں کب رہ سکتی ہے

میں ابھی اسے سزا دوں گی۔ ذرا اسے پکڑ تو لاؤ میرے سامنے۔"

فوراً دو تین دیویاں دوڑی دوڑی گئیں اور پھرکی کو پکڑ لائیں۔ رانی نے اس پر غصّے کی نگاہ ڈالی اور کہا۔ "کیوں ری پھرکی۔ یہ میں کیا سُن رہی ہوں! تو غرور کرنے لگی ہے؟ جانتی ہے غرور کرنے والے کو کیا سزا ملتی ہے؟ غرور کرنے والا فوراً سورگ سے باہر نکال دیا جاتا ہے اور تو اور غرور کرنے پر تو میں بھی سورگ میں نہیں رہ سکتی۔ یہاں کا قانون یہی ہے۔"

پھرکی سہم کر بولی۔ "اب تو غلطی ہو گئی شریمتی جی! بس اس بار مجھے معاف کر دیجئے۔ پھر کبھی ایسی غلطی کروں تو آپ کی جوتی اور میرا سر۔"

رانی نے کہا۔ "تیرے لئے قانون نہیں توڑا جا سکتا۔ تجھے ضرور سزا ملے گی اور سورگ چھوڑ کر زمین پر جانا ہی پڑے گا۔ ہاں میں اتنی مہربانی کر سکتی ہوں کہ تو جو شکل چاہے اسی شکل میں تجھے زمین پر بھیج دوں۔

فقیر نے پوچھا۔ اس کا کیا ہو گا دیوی؛ یہ تو ایک بہت چھوٹی چیز ہے۔

بول تیری خواہش وہاں کس شکل میں جانے کی ہے۔" اسی وقت وہاں اچانک ایک فقیر آ پہنچا۔ وہ کپڑوں کی بجائے چیتھڑے پہنے ہوئے تھا۔ اُسے دیکھ کر سب دیویوں کو بہت تعجب ہوا رانی نے اُس سے پوچھا۔ "آپ کون ہیں؟ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ صورت تو آپ نے بہت عجیب بنا رکھی ہے۔ ہم نے تو آج تک ایسی عجیب و غریب صورت دیکھی ہی نہیں۔"

فقیر نے جواب دیا۔ "میں ایک معمولی انسان ہوں۔ زمین کا رہنے والا ہوں۔"

رانی نے کہا "اچھا آپ انسان ہیں۔ زمین کے رہنے والے ہیں۔ انسان غرور کے پُتلے ہوتے ہیں۔ وہ کبھی سورگ میں نہیں آ سکتے۔ بھلا آپ کس طرح یہاں آ پہنچے۔"

فقیر بولا۔ "میں نے غرور چھوڑ کر بہت دنوں تک تپ کیا ہے۔ اپنی ساری زندگی اپنے ہم وطنوں کی خدمت ہی میں بسر کی ہے۔ اسی لئے میں یہاں آ سکا ہوں۔"

رانی نے خوش ہو کر کہا۔ "پھر تو آپ بھلے آدمی ہیں۔ آپ سے مل کر مجھے بہت ہی خوشی ہوئی۔ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بلا تامل کہئے۔"

فقیر بولا۔ "دیوی زمین پر رہنے والے انسان بہت دکھی ہیں۔ کپڑے پہننا بھی نہیں جانتے۔ وہ بے چارے اپنے

جسم پر پتے لپیٹ لپیٹ کر اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ آپ مہربانی کر کے کوئی ایسی چیز دیجئے جس کے ذریعے سے وہ سوت کات سکیں۔ روئی تو زمین پر بہت ہوتی ہے۔ جہاں لوگوں نے اس کا سوت نکال لیا وہاں کپڑے تیار ہوئے ہی سمجھئے"

رانی نے کہا۔ "اچھا اچھا آپ تشریف تو رکھیئے۔ بھگوان نے چاہا تو میں ابھی آپ کی خواہش پوری کئے دیتی ہوں۔" اس کے بعد اس نے پھرکی سے پھر وہی سوال کیا۔

ہاں، پھر تو کس شکل میں زمین پر جانا چاہتی ہے؟"

پھرکی نے آنکھوں میں آنسو بھر کر جواب "شریمتی جی! میں تو وہاں کسی بھی شکل میں نہیں جانا چاہتی۔ اگر آپ مجھے وہاں بھیجنا ہی چاہتی ہیں تو ایسی شکل میں بھیجئے۔ جس سے میں سب انسانوں کی خدمت کر سکوں، ان کا دل بہلا سکوں اور ان سے عزت بھی پا سکوں۔"

رانی مسکرا کر بولی۔ "میں مانتی ہوں پھرکی تو سچ مچ بہت ہوشیار ہے۔ تو نے ایک ساتھ تین ایسی بڑی بڑی باتیں مانگی ہیں جن سے تو زمین پر بھی ہمیشہ دیوی بن کر رہیگی خیر کوئی بات نہیں میں تجھے ایسی ایسی شکل دیتی ہوں جس سے تیری خواہش پوری ہونے میں کوئی رکاوٹ نہ رہے گی۔" یہ کہہ کر رانی نے چلو میں تھوڑا سا پانی لیا

اور کچھ منتر پڑھ کر پھرکی پہ پھونک دیا۔ پھر کیا تھا۔ پھرکی فوراً تکلی بن کر کھٹ سے گر پڑی۔ رانی نے جھپٹ کر وہ تکلی اُٹھا لی اور فقیر کو دے دی۔ فقیر نے تکلی لیتے ہوئے پوچھا۔ "اس کا کیا ہوگا دیوی؟ یہ تو بہت چھوٹی چیز ہے؟"
رانی نے جواب دیا۔ "چیز چھوٹی تو ضرور ہے۔ لیکن اس سے لوگوں کا بہت بڑا کام نکلے گا۔ اس کے ذریعے سے ان کو سوت ملے گا جس سے کپڑے بنے جائیں گے۔ بچوں کو یہ کھیل کا کام دے گی اور فرصت کے وقت سیانوں کا دل بہلایا کرے گی۔ وہ چاہیں گے تو آپس میں کھیلتے کھیلتے یا گپ شپ کرتے ہوئے بھی اس کے ذریعے سوت نکالتے رہیں گے
لالہ لے جائیے۔
کہتے ہیں اسی تکلی سے انسان نے کاتنا سیکھا اور تکلی کی ترقی کے ساتھ ہی تہذیب کی ترقی ہوئی۔

رات کو خواب میں اسے دو شخص دکھائی دئے۔ ان میں سے ایک تھا کرم (عمل کا دیوتا) اور دوسرا تھا بھاگیہ (قسمت کا دیوتا)

شانتی دیوی ورما

بہار کی ایک لوک کہانی

جُلاہا اور قسمت کا دیوتا

کسی شہر میں ایک جُلاہا رہتا تھا۔ وہ اپنے کام میں بہت
تھا۔ رنگ برنگ کے دھاگوں میں سنہری اور روپہلی

ملا کر وہ ایسے خوبصورت بیل بوٹے بناتا کہ جو کوئی بھی
اس کا بُنا ہوا کپڑا دیکھتا دنگ رہ جاتا۔ مگر اُن بڑھیا اور
مہنگے کپڑوں کو صرف راجہ مہاراجہ ہی خرید سکتے تھے۔ اس
وجہ سے اس کی بکری زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ اُسے ہمیشہ
پیسے کی کمی رہا کرتی تھی پھر بھی جوں توں کرکے اُس کا
گزارہ چل ہی جایا کرتا تھا۔

ایک دن وہ اپنی بیوی سے بولا۔ "جُلاہن! دیکھو ہمارے
پڑوسی بھائی صرف گاڑھا کھدر بُنتے ہیں۔ یہ لوگ کام میں بھی
اتنے ہوشیار نہیں ہیں۔ پھر بھی ان کی آمدنی مجھ سے
چوگنی ہے۔ اس گاؤں میں کوئی میرے گُنوں کا گاہک ہی نہیں
ہے۔ اس لئے میں تو پردیس میں جاکر اپنی قسمت
آزمانے کی سوچ رہا ہوں شیر بھوکوں مر جاتا ہے مگر
چارہ نہیں کھاتا۔ میں ایک کاریگر جلاہا ہوکر عام جلاہوں
کی طرح موٹا جھوٹا کپڑا تو بُننے سے رہا۔" جلاہن بولی

"دیکھو جی میری بات سُنو پردیس جاکر بھی کچھ
نہیں بنے گا۔ جب اپنے دن اچھے آئیں گے تو کام بنتے
دیر نہیں لگے گی۔"

جُلاہا بولا۔ "تو نکمے پن کی باتیں کرتی ہے۔ بغیر
محنت کے تو کوئی پھل نہیں ملتا کمانے سے بھری ہوئی

تھالی بیچارے سامنے دھری رہے جب تک کوئی لقمہ ہاتھ سے
اُٹھا کر منہ میں نہیں ڈالے گا خوراک پیٹ میں نہ جائیگی
کبھی تو نے آج تک سنا بھی ہے کہ سوتے شیر کے منہ
میں ہرن خود چلا گیا ہو ! میری رائے میں تو ہر انسان کو
کوشش کرنی چاہیئے محنت کرنے پر بھی اگر پھل نہ ملے تو
اس میں اُس انسان کا قصور نہیں قصوروار قسمت ہے ۔"

اس طرح اپنی بیوی کو سمجھا بجھا کر وہ جُلاہا ایک
بڑے شہر میں دولت کمانے کی غرض سے گیا ۔ وہاں آکر
اس کا کاروبار تھوڑے ہی دنوں میں چمک اُٹھا ۔ اُس
کے بنائے ہوئے کپڑوں کی سیٹھ ساہوکاروں اور راجوں
مہاراجوں میں خوب کھپت ہوئی منہ مانگی قیمت پا کر
اس نے اپنا روزگار وہاں اچھا جما لیا

اس طرح تین برس تک اُس شہر میں رہ کر اُس
نے سونے کی تین سو مہریں جمع کر لیں

اب اُس نے سوچا گھر چلنا چاہیئے میں اپنی
جُلاہن کو جا کر جب اتنی دولت دوں گا تو وہ کتنی
خوش ہوگی پھر میں اُسے اپنی رخصت کے وقت کی بات یاد
دلاؤں گا اور کہوں گا کہ اگر میں تیرے کہنے پر پردیس نہ جاتا
اتنی دولت اسی گاؤں میں بیٹھے رہنے سے کس طرح ملتی

اس طرح منصوبے باندھتا ہوا اپنے گاؤں
کی جانب چل دیا۔ رستے میں اُسے ایک جنگل
میں رات پڑ گئی۔ چوروں ڈاکوؤں اور درندوں کے
ڈر سے وہ ایک پُرانے برگد کے درخت پر چڑھ
گیا۔ سفر سے تھکا ماندہ تو تھا ہی۔ تنے کا
سہارا لے کر تھوڑی ہی دیر میں سو بھی گیا۔

رات کو خواب میں اُسے دو شخص دکھائی
دیئے اُن میں سے ایک تھا کرم (عمل) کا دیوتا
دوسرا بھاگیہ (قسمت) کا دیوتا۔

قسمت کے دیوتا عمل کے دیوتا سے بولے
"عمل کے دیوتا! تمہیں تو معلوم ہے کہ اس بھلا ہے
کے نصیب میں صرف موٹے کپڑے ہی کا سکھ
لکھا ہے پھر بھلا تم نے اسے اُٹھا کر
سونے کی تین سو مہریں کیوں دے دیں!"

عمل کے دیوتا بولے۔"قسمت کے دیوتا!
میرا کام تو محنت کرنے والوں کو اُن کی
محنت کا پھل دینا ہے۔ جو کوشش
کرے گا اُسے اس کا پھل ملنا ہی چاہیئے
اب آگے جیسا مناسب سمجھو کرو۔"

عمل کے دیوتا اور قسمت کے دیوتا کی یہ بات
چیت سُن کر جھبلا گھبرا کر اُٹھ بیٹھا مگر جب
اُس نے اپنی تھیلی کھولی تو اُس میں پھوٹی
کوڑی بھی نہیں تھی دیکھ کر جھبلا افسوس
سے کہنے لگا کہ ہائے! اِتنی مشکلوں سے تو دولت کمائی تھی اور
اب آتے جاتے ایک پل بھی نہیں لگا بھلا خالی ہاتھ گاؤں
جا کر میں اپنی بیوی اور دوستوں کو کس طرح منہ دکھاؤں گا۔
سوچ کر وہ پھر اُسی شہر میں واپس آیا
ایک ہی برس میں دوگنی محنت سے اُس نے پانچ ہزار ہیرے
کما کر پھر جمع کر لیں
وہ اپنے گاؤں کی طرف دوسرے رستے سے چل دیا
لیکن ہوئی ایسی کہ سورج ڈوبتے ہی وہ اسی برگد کے درخت کے
پاس آ پہنچا دیکھ کر جھبلا بہت ہی پریشان ہوا کہ
سامنے دیکھ لاکر کوشش کی مگر ہونی وہیں لے جا کر چھوڑتی
ہے جہاں کچھ ہونے والا ہو۔ یہ دوسرا رستہ بھی آکر
اُسی چوراہے سے مل گیا اور وہ بھٹکتا ہوا پھر اُسی جنگل میں
آ پڑا۔ اُس نے اپنے من میں کہا معلوم ہوتا ہے کہ آج کی رات
بھی اسی منحوس درخت ہی پر بسر کرنی پڑے گی۔
رات کو آنکھ لگتے ہی پھر خواب میں جھبلا نے کہ قسمت

اور عمل کے دیوتا دکھائی دیئے۔ اُس دن کی طرح پھر قسمت کے دیوتا نے عمل کے دیوتا سے شکایت کی۔ "اس جُلاہے کو تم نے کیوں اتنی دولت دی۔ اس کی قسمت میں تو صرف روٹی کپڑا لکھا ہے۔"

عمل کے دیوتا نے جواب دیا۔ "انسان کو اس کے عمل کا پھل دینا میرا فرض ہے۔ وہ پھل کا فائدہ اٹھا سکے یا نہیں یہ تمھاری مرضی پر ہے۔"

گھبرا کر جب جُلاہے کی آنکھ کھُلی تو اس نے دیکھا کہ اُس کی تھیلی پھر خالی پڑی تھی۔ اب تو جلاہے نے اپنا سر پیٹ لیا۔ دوسری بار بھی اپنا سب کچھ کھو کر اسے بہت نااُمیدی ہوئی۔ وہ سوچنے لگا۔ دولت کے بغیر تو اس دُنیا میں جینا ہی بیکار ہے۔ یہ سوچ کر اپنی پگڑی کو درخت سے لٹکا کر اس نے دونوں سروں کو باندھ کر پھندا بنایا اور جیسے ہی وُہ گلے میں پھانسی لگانے کو تیار ہُوا قسمت کے دیوتا نے سامنے آکر اُس کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولے "سنو بھائی ابھی تمھاری زندگی باقی ہے۔ تم خودکشی کرنے کی کوشش نہ کرو۔ جاؤ اپنے گھر جاؤ۔ مگر میں تمھیں یہ قول دیتا ہوں جو کچھ تم مانگو گے ملے گا، بولو تمھیں کیا چاہیئے۔"

جلاہے نے کہا۔ "اگر یہ بات ہے تو آپ مجھے دولت مند

بنا دیں۔"

یہ سُن کر قسمت کے دیوتا بولے۔" مگر تم دولت لے کر بھی کیا کروگے۔ دولت کا استعمال تمھارے نصیب میں نہیں لکھا ہے۔"

جُلاہا بولا۔" اس کے باوجود بھی مجھے دولت چاہیئے۔ اس دُنیا میں کتنے ایسے امیر لوگ ہیں جو اپنی صحت کی خرابی یا کنجوسی کے باعث خود دولت کا استعمال کرنے کے قابل نہیں۔ مگر امیر ہونے کی وجہ سے سماج میں اُن کی عزّت ہے۔ بھائی بند انھیں گھیرے رہتے ہیں۔ لوگ اُن کے قصور اور خطا پر بھی اُن کے مُنہ پر نکتہ چینی کرنے کی گستاخی نہیں کرتے۔ میرے نصیب میں دولت کا سُکھ نہیں ہوگا تو کوئی بات نہیں مگر میں دولت مند کہلانا چاہتا ہوں۔

قسمت کے دیوتا نے کہا، "اگر ایسی بات ہے تو تم شہر کو واپس چلے جاؤ۔ وہاں تمھیں ایک سوداگر کے دو بیٹے ملیں گے اُن میں سے ایک تو دھن جوڑو اور دوسرا دھن اُڑاؤ ہے تم ان دونوں میں سے جس کی مانند بننا پسند کروگے ویسا تمھیں بنا دیا جائے گا۔"

یہ کہہ کر قسمت کے دیوتا غائب ہو گئے۔

اب وہ جُلاہا شہر میں آکر دھن جوڑو کا پتہ پوچھتا پوچھتا ایک گلی میں آیا۔ گلی والوں سے جب اُس نے پوچھا:۔ " بھائی

یہاں سوداگر کا بیٹا دھن جوڑو رہتا ہے؟" ایک نے کہا۔
" رہتا ہوگا کوئی کنجوس مکھی چوس۔ ہمیں اس سے کیا مطلب؟"
دوسرا بگڑ کر بولا " تم پردیسی معلوم ہوتے ہو
سویرے سویرے اس منحوس کا نام سنا دیا۔ جانے
آج روٹی بھی نصیب ہوگی کہ نہیں۔"

جلاہے نے سوچا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بڑی بدنامی کمائی ہے
اس دھن جوڑو نے! کوئی اس کا نام تک سننا نہیں چاہتا خیر
میں خود ہی اس کا گھر ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

ڈھونڈتے ڈھونڈتے جلاہے کو آخر دھن جوڑو کا گھر
مل ہی گیا۔ دھن جوڑو کی بیوی بچوں اور نوکروں چاکروں سے
دھتکارے جانے پر بھی جلاہا اس کے آنگن میں جا کر بیٹھ
گیا۔ رات کو ساہوکار کی بیوی نے بے دلی سے اسے کھانا
بھی کھلا دیا۔ بیوی شوہر کے مزاج سے اچھی طرح
واقف تھی۔ اس لئے کسی بھوکے پیاسے کے لئے ہمدردی
ظاہر کرنے کا اسے حوصلہ نہیں ہوتا تھا۔

خیر رات کو جلاہا اسی آنگن میں سو گیا۔ اب خواب
میں اسے پھر عمل اور قسمت کے دیوتا دکھائی دیئے۔ قسمت کے
دیوتا نے عمل کے دیوتا سے پوچھا۔ عمل کے دیوتا بھلا
تم نے کیا کیا اس دھن جوڑو کے نصیب میں

تو پیسہ خرچ کرنا لکھا ہی نہیں ہے پھر اس جلاہے کو کھانا کھلوا کر تم نے فالتو خرچ کیوں ہونے دیا؟"

عمل کے دیوتا بولے۔ "قسمت کے دیوتا۔ اب میں نے جو مناسب سمجھا کر دیا، آگے تمہاری مرضی جس طرح چاہو اس کمی کو پورا کرو۔"

دھن داد نے جلاہے کی بہت آؤ بھگت کی اور اُسے پیٹ بھر کھانا کھلایا۔ پوشاک کا نیا جوڑا پہننے کو دیا ———!

دوسرے دن ہونہار کے بس ہو کر دھن چھوڑ بیمار پڑ گیا اور اس طرح اُسے کئی دن تک فاقہ کرنا پڑا۔ اور بھوکا پیاسا چلاتا بھی وہاں سے دھن اڑاؤ

کی تلاش میں چل دیا ۔ اُس کی گلی میں گھستے ہی بچے بچے کے منہ سے اُس نے دھن اڑاؤ کی تعریف سنی اور وہ اُسے سوداگر کے اُس بیٹے کے گھر تک چھوڑ آئے

دھن اڑاؤ نے جلا بھے کی بہت آؤ بھگت کی۔ اور اُسے پیٹ بھر کھانا کھلایا نیا جوڑا پہننے کو دیا اور اس کے آرام کا انتظام کر کے وہ سونے چلا گیا

اب رات کو خواب میں جلا بھے کو پھر قسمت کے دیوتا اور عمل کے دکھائی دیئے قسمت کے دیوتا عمل کے دیوتا سے بولے بھائی عمل کے دیوتا اس دھن اڑاؤ نے جلا بھے کی خدمت میں اپنی رہی سہی پونجی بھی خرچ کر دی ہے ۔ اب اس کے کل کھانے پینے کا کام کیسے چلے گا ۔

عمل کے دیوتا بولے ۔ " اچھے کام کرنے کی رغبت دلانا میرا کام ہے ۔ اب بگڑی بات بنانا تمہارے ہاتھ میں ہے ۔ کچھ قسمت کا کرشمہ دکھاؤ ۔ "

دوسرے ہی دن راجہ کے دربار سے ایک اہلکار آیا اور دھن اڑاؤ کو راجہ کی طرف سے روپوں کی ایک تھیلی بھینٹ کر گیا ۔

دیکھ کر جلاہا سوچنے لگا کہ دھن جوڑو جیسا کرفتہ بننے سے دھن اڑاؤ کی طرح لوگوں کی خدمت کرنا اور آنندسے لاکھ درجے اچھا ہے۔ کیونکہ دولت کا فائدہ اس کے ٹھیک استعما ہی میں ہے جب دولت مند کی دولت کسی کے کام نہ آئے اس سے تو غریب رہنا اچھا۔ دھرم پر عمل کرنے سے ہی انسا دھرماتما کہلاتا ہے۔ فقط دھرم کے اپدیش پڑھ لینے سے کوئی دھرا نہیں بن جاتا۔ اس لئے اے قسمت کے دیوتا آپ مجھے دھن اڑاؤ جیسا دولت مند بنا دیں تو اچھا ہے۔ مجھے دھن جوڑو کی زندگی میں کوئی فائدہ نظر نہیں آتا

جلاہے کی خواہش کے مطابق قسمت کے دیوتا نے اُسے دھن اڑاؤ جیسا دولت مند بنا دیا۔ وہ گاؤں میں واپس آگیا۔ وہاں اس کا کاروبار خوب چمک اُٹھا مگر ساتھ ہی ساتھ وہ جتنا کما اُتنا ہی لوگوں کے بھلے کے لئے خرچ بھی کر دیتا تھا۔ اس طرح وہ جلاہے دولت جمع نہ کر سکا ہو مگر اُس نے نیک نامی خوب حاصل کی اسی میں ہی جلاہے اور جلاہن کو اطمینان حاصل تھا۔

رام چندر شرما

برج کی لوک کہانی

انسان کی بیٹی

کسی گاؤں میں ایک برہمن رہتا تھا ۔ وہ بڑا عالم اور نیک چلن تھا۔ اس کی بیوی بھی بہت شریف اور گھر کے کام کاج میں بہت ہوشیار تھی ۔ اُن کے صرف دو بچے تھے۔ ایک لڑکا اور ایک لڑکی ۔ ماں باپ اپنے دونوں بچوں سے بہت پیار کرتے تھے اور اُن کو نیک صفت اور نیک چلن بنانے کی کوشش کرتے رہتے تھے ۔ اگرچہ لڑکا بڑا تھا پھر بھی لڑکی زیادہ ہوشیار تھی ۔ ماں باپ کو بھی اس سے خاص محبت تھی لڑکی رفتہ رفتہ بڑھنے لگی اور بیاہ کے قابل ہو گئی ۔

ماں باپ یہ سوچ نہ سکتے تھے کہ لڑکی اتنی جلدی بیاہ کے قابل ہو جائے گی ۔ انھوں نے کبھی خیال ہی نہیں کیا تھا کہ انھیں لڑکی کے لئے ور ڈھونڈنا ہے ۔ ایک دن جب وہ اپنی ماں کے پاس کھڑی تھی تو اُسے دیکھ کر ماں کو ایسا محسوس ہوا کہ وہ قد میں اُس کے برابر ہو گئی ہے اور اب اس کے بیاہ کی فکر کرنی چاہیئے ۔ اُسی دن شام کو برہمنی نے

اپنے شوہر سے کہا :- "لڑکی بیاہ کے قابل ہو گئی ہے ۔ اب اس کے بیاہ کی فکر کرو" برہمن بھی لڑکی کو اتنی جلدی سیانا ہوتے دیکھ کر دنگ رہ گیا اور بیوی سے کہنے لگا "تم ٹھیک کہتی ہو اب مجھے اس کے لئے ور ڈھونڈھنا چاہیئے"- یہ کہہ کر برہمن فکر میں ڈوب گیا اُس نے جنتری اٹھائی وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ بیاہ کی نیک گھڑی کون سی ہے ۔ جنتری دیکھنے پر معلوم ہوا کہ بیاہ اسی مہینے بنتا ہے ۔ آگے تین سال تک بیاہ کا لگن ٹھیک نہیں دیکھ کر اُسے بہت گھبراہٹ ہوئی برہمنی نے اس گھبراہٹ کا سبب پوچھا تو اُس نے بتایا کہ لڑکی کا بیاہ اسی مہینے میں ٹھیک بنتا ہے ۔ آگے تین سال تک بیاہ کا لگن ٹھیک نہیں اس مہینے میں بیاہ کے لئے صرف ایک دن اچھا ہے اُجالے پندرھواڑے کی پانچویں یہ سُن کر برہمنی بھی بڑی بے چین ہوئی ۔ اور کچھ دیر سوچ کر بولی - " ابھی تو پندرہ دن باقی ہیں ۔ اگر ٹھیک طرح کوشش کی جائے تو اتنے دنوں میں ور ڈھونڈا جا سکتا ہے اور اسی مہینے بیاہ ہو سکتا ہے ۔ تین سال تو ہم نہیں رُک سکتے ۔ لڑکی کافی بڑی ہو

ہو گئی ہے۔"

برہمن پھر فکر میں پڑ گیا۔ اُس نے سوچا۔ بیوی ٹھیک کہتی ہے۔ تین سال تک نہیں رُکا جا سکتا۔ اُس نے نائی کو بُلوایا اور لڑکی کے لئے فوراً ور ڈھونڈنے کے لئے جانے کو کہا۔ اس نے نائی کو صاف بتا دیا کہ لڑکی کا بیاہ تین سال تک نہیں رُکتا۔ اس لئے جلد ہی قابل ور ڈھونڈنا ہے اور بیاہ اسی مہینے آجانے والے پندرھواڑے کی پانچویں کو کرنا ہے "جو حکم" کہہ کر نائی وہاں سے چلا گیا اور ور کی تلاش میں نکل پڑا۔

نائی چلتے چلتے ایک گاؤں میں پہنچا۔ وہاں اُسے ایک اچھا پڑھا لکھا اور قابل برہمن نوجوان مل گیا نائی نے اُسے اچھا ور سمجھ کر رشتہ پکا کر دیا اور بیاہ کے لئے آجانے والے پندرھواڑے کی پانچویں کا دن مقرر کرکے واپس آ گیا۔

ادھر نائی کے گھر سے جاتے ہی برہمن کے دل میں طرح طرح کے خیالات اُٹھنے لگے وہ سوچنے لگا۔ آخر نائی ہی تو ہے؛ معلوم نہیں کیسی شکل، نیک صفت لڑکی کے لئے کیسا ور دیکھ آئے۔ وقت تھوڑا ہے۔ اگر غلطی ہو گئی تو درست بھی نہیں کی جا سکے گی۔ ساتھ ہی بیاہ کا رشتہ ایک پاک رشتہ ہے۔ دولہا دولہن کا عمر بھر کا سنجوگ ہے۔ اور دو زندگیوں کا آخر تک کا ساتھ ہے۔ میں نے بڑی غلطی کی جو نائی

کو ور ڈھونڈنے کے لئے بھیج دیا۔ جس لڑکی کو میں اتنا پیار کرتا ہوں کیا اُس کے لئے کچھ بھی قربانی نہیں کر سکتا۔ نہیں، ور ڈھونڈنے میں خود جاؤں گا۔ لڑکی چاہے تین برس اور کنواری رہے مگر جب تک میری مرضی کا ور نہ مل جائے گا اس کا بیاہ نہ کروں گا۔

یہ سوچ کر برہمن اُٹھا اور اپنی بیوی کو اپنا ارادہ بتا کر ڈھونڈنے چل دیا۔

ایک گاؤں میں اُسے ایسا قابل ور مل گیا جیسا وہ چاہتا تھا۔ اُس نے اُس کا رشتہ پکا کر دیا اور بیاہ کی تاریخ بتا کر چلا آیا

ادھر برہمن کے گھر سے جاتے ہی برہمنی کو بہت بے چینی ہوئی۔ وہ سوچنے لگی۔ نائی تو بے وقوف ہوتا ہے۔ اُسے کیا خبر کہ ہمارا گھر کتنا باعزت ہے میری لڑکی تو گلاب کا پھول ہے۔ اندھیرے گھر میں بھی اُجالا کر دینے والی ہے۔ اگر نائی کوئی غریب گھر یا بد صورت ور دیکھ آیا تو میری لڑکی کڑھ کڑھ کر ہی مر جائے گی۔ میرا دل بھی عمر بھر جلتا رہے گا۔ میرے پتی نے بہت بُرا کیا جو نائی کو ور ڈھونڈنے کے لئے بھیج دیا۔ اب انھیں اپنی غلطی کا احساس ہوا ہے۔ خود ہی ور ڈھونڈنے گئے ہیں لیکن اس سے بھی کیا

ہوگا وہ بھی کون سا میری پسند کا گھر دیکھ کر آئیں گے۔ میں جانتی ہوں وہ زیادہ سے زیادہ یہ دیکھیں گے کہ لڑکا پڑھا لکھا اور تندرست ہو، چاہے اُس کے گھر میں کچھ بھی نہ ہو۔ انھیں کیا خبر کہ عورتیں کیا کیا چاہتی ہیں۔ میں تو ایسا لڑکا چاہتی ہوں جو خوبصورت اور تندرست ہو۔ دولتمند ہو۔ فراخ دل اور نیک چلن ہو۔ اگر پڑھا لکھا ہُوا لیکن خوبصورت نہ ہُوا تو وہ کوڑی کا۔ وقت بہت تھوڑا ہے جلدی میں غلطی ہو سکتی ہے اس لئے میں خود وَر ڈھونڈنے جاؤں گی میرے پتی نے میری سب باتیں مانی ہیں تو کیا یہ چھوٹی سی بات مانیں گے۔ مانیں گے کیوں نہیں زبردستی منواؤں گی کیا لڑکی پر میرا کچھ بھی حق نہیں ہے نہیں میں نائی کی مانوں گی پتی کی تو لڑکی کے لئے عمر بھر کا سوال ہے"۔

یہ سوچ کر برہمنی نے اپنے لڑکے کو اپنے پاس بُلایا اور اُسے سب حال بتا کر لڑکی کے لئے ور ڈھونڈنے چل دی

کی تلاش میں وہ ایک گاؤں میں پہنچی۔ وہ جیسا چاہتی تھی ویسا اُسے مل گیا اُس کا رشتہ پکّا کر کے اور بیاہ کی تاریخ مقرر کر کے اپنے گھر واپس آ گئی

اِدھر اُس کے گھر سے جاتے ہی لڑکی کا بھائی سوچنے لگا۔ ' نائی تو اپنا فرض پورا کر دے گا۔ اُسے ور ڈھونڈنے کے لئے کہا گیا ہے وہ ور ڈھونڈ دے گا۔ پھر چاہے وہ کیسا ہی ور ڈھونڈنے کے بعد اس کا فرض پورا ہو جاتا ہے بعد میں بھگتنا تو ہمیں ہی پڑے گا۔ ماں باپ پر کچھ ذمہ داری ضرور ہے لیکن زیادہ نہیں۔ وہ تو اپنی مرضی کا ڈھونڈیں گے۔ پتا جی یہ دیکھیں گے کہ لڑکا پڑھا لکھا ہو ماتا جی دیکھیں گی کہ لڑکا خوبصورت ہو دولت مند ہو۔ لیکن اتنے سے تو کام نہیں چلتا۔ ماں باپ تو بہن کا بیاہ کر کے سورگ سدھار جائیں گے۔ بہنوئی صاحب اور اُن کے خاندان والوں سے بعد میں تو مجھے ہی پالا پڑے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ میری بہن کے لئے جو ور دیکھا جائے مزاج کا اچھا ہو ملنسار ہو اور اُس کے خاندان والے مہذب اور شریف ہوں جس سے میری بہن کو سسرال میں جا کر کوئی تکلیف نہ ہو اور اس کی وجہ سے مجھے بھی کوئی تکلیف ہو۔ لڑکا پڑھا لکھا بھی ہوا خوبصورت بھی ہوا اور دولت مند بھی ہوا لیکن مہذب شریف نہ ہوا تو گھر میں ہمیشہ پریشانی رہے گی بہن کی زندگی دوبھر ہو جائے گی۔ اس لئے میں اپنی مرضی کا

ڈھونڈوں گا - ماں باپ پہلے ہی ناراض ہوں انھیں سکتے

ملی، اس دُنیا میں رہنا ہے ؟"

سنیاسی نے چِتا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے برہمن سے کہا — "اسے اُٹھاؤ!"

یہ سوچ کر وہ اور گھر نوکر کے سپرد کر کے وَر ڈھونڈنے چل دیا -

ایک گاؤں میں اُسے بھی اپنی پسند کا وَر مل گیا وہ اس کا رشتہ پکّا کر کے اور بیاہ کی "تاریخ" مقرر کر کے گھر واپس آ گیا -

نائی برہمن برہمنی اور اُن کا لڑکا چاروں ایک ہی

دن گھر واپس پہنچے۔ آپس میں بات چیت کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ چاروں چار گاؤں میں چار وَر تلاش کر آئے ہیں اور سب کو بیاہ کی ایک ہی تاریخ اُجالے پندرھواڑے کی پانچویں بتا آئے ہیں۔ یہ بات ظاہر ہونے پر برہمن کو بہت فکر ہوئی۔ اس نے نائی سے کہا کہ وہ فوراً تینوں گاؤں میں جا کر رشتہ رد کر آئے صرف وہی رشتہ پکا سمجھا جائے جسے باپ نے خود پکا کیا تھا۔ نائی شش و پنج میں پڑ گیا وہ 'ہاں' کر کے کرنا ٹھیک نہیں سمجھتا تھا۔ اگر نائی آج ایک رشتہ پکا کر دے اور کل اُسے رد کر دے تو سماج میں اس کی ساکھ ہی کیا رہے گی۔ اس لئے وہ اپنے پکے کئے ہوئے رشتے کو رد نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ ان تینوں رشتوں کو رد کرنے گیا جو برہمن برہمنی اور اُن کے لڑکے نے پکے کئے تھے۔ اس نے تینوں جگہوں پر جا کر برہمن کا پیغام سُنا دیا لیکن پہچاننے والا سمجھ کر کسی نے اس کی بات نہ مانی اور بیاہ کی تیاری کرتے رہے۔ انھوں نے سوچا رشتے کو وہی رد کر سکتا ہے جس نے پکا کیا ہے۔ یہ کوئی لڑکی والے کا دشمن معلوم ہوتا ہے۔'

اُجالے پندرھواڑے کی پانچویں آئی۔ برہمن نے بیاہ کی تیاریاں مکمل کر لی تھیں۔ لیکن جب شام کو چار براتیں دروازے پر

دیکھیں تو گھبرا گیا سوچنے لگا۔ ناؤ کو منع کرنے کے لئے بیچ دیا تھا۔ پھر بھی یہ لوگ کس طرح آ گئے۔ ایک لڑکی اور چار دوسرے۔ میری کیسی بدقسمتی ہے۔ اب مجھے ڈوب مرنا کے

سنیاسی نے کہا — خودکشی کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔
تو میرے ساتھ چل۔ میں تیری مشکل حل کر دوں گا۔

لئے بھی جگہ میسّر نہیں - اے بھگوان میں نے ایسے کیا پاپ کئے تھے جو مجھے یہ دن دیکھنے کو ملا - اب میں کہاں جاؤں اور کیا کروں ؟

یہ سوچتے سوچتے برہمن بے چین ہو گیا- اور شرم اور بدنامی کے کلنک سے بچنے کے لئے خودکشی کرنا ہی اُس نے سب سے اچھا علاج سمجھا- وہ آہستہ سے اُٹھا اور گاؤں کے باہر ایک کنوئیں میں کُود کر اپنی جان دینے کے خیال سے چل دیا- جب وہ کنوئیں پر پہنچا تو اچانک ایک سنیاسی اُدھر آ نکلا- سنیاسی نے اُس سے پُوچھا:- "تو اِس سُنسان جنگل میں اِس کنوئیں پر اکیلا بیٹھا کیا کر رہا ہے"؟ برہمن نے سنیاسی سے سارا حال کہہ سُنایا- سنیاسی نے کہا:- "خودکشی کرنے سے کوئی فائدہ نہیں - تو میرے ساتھ چل - میں تیری مشکل حل کروں گا"- برہمن سنیاسی کے ساتھ ہو لیا-

رستے میں ایک کُتیا ملی جس سے ابھی ابھی تین پلیاں پیدا ہوئی تھیں - سنیاسی نے ایک پلیا کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے برہمن سے کہا:- "اِسے اُٹھا لو" برہمن نے پلیا کو اُٹھا کر جھولی میں ڈال لیا - آگے چل کر دونو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سورنی نے ابھی ابھی بچے دیئے ہیں - اُن میں سے ایک بچی ہے - سنیاسی نے اشارہ کیا کہ اسے بھی اُٹھا

لو۔ برہمن نے اُسے بھی اُٹھا کر جھولی میں ڈال لیا۔ جب اور آگے چلے تو ایک گدھی ملی۔ اُس نے بھی ابھی بچّے دیئے تھے۔ اُن میں ایک مادہ بچّہ تھا۔ سنیاسی کے اشارہ کرنے پر برہمن نے گدھی کے بچّے کو بھی جھولی میں ڈال لیا۔

اب سنیاسی اور برہمن گھر پہنچے۔ سنیاسی نے کہا:۔ "ان تینوں بچّوں کو ایک کوٹھے میں بند کر دو اور اپنی لڑکی کو بھی اسی میں بند کر دو۔ جب تک میں نہ کہوں کوٹھا نہ کھولنا!" برہمن نے ایسا ہی کیا اور چاروں کو ایک کوٹھے میں بند کر دیا۔ اس

کے بعد سنیاسی نے کہا کہ ایک ایک کر کے چاروں وروں کو جنواسوں سے بلاؤ۔ برہمن نے پہلے ایک ور کو بُلایا۔

سنیاسی کی اجازت سے کوٹھے کا تالا کھولا گیا۔ لیکن سب لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ کہ اندر ایک ہی رُوپ رنگ اور عمر کی چار لڑکیاں بیٹھی ہوئی ہیں۔ اُن میں سے ایک لڑکی کو باہر نکالا گیا اور اُس کا بیاہ قاعدے کے مطابق آئے ہوئے ور کے ساتھ کر دیا گیا۔ اِسی طرح باری باری سے باقی تینوں لڑکیوں کا بیاہ بھی باقی تینوں وروں کے ساتھ کر دیا گیا۔ برہمن نے چاروں براتوں کی اچھی طرح خاطر کی۔ اور صبح ہوتے ہی چاروں کو رُخصت کر دیا۔ چاروں ور خوش تھے اور چاروں کے چہرے پر فتح کا جذبہ جھلک رہا تھا۔ اُن میں سے ہر ایک یہ سمجھ رہا تھا کہ برہمن نے لڑکی کا بیاہ میرے ہی ساتھ کیا ہے۔ اور باقی تینوں ور نا اُمید ہو کر جا رہے ہیں۔ اُنھیں یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ لڑکی ایک ہی ہے۔ اور براتیں غلطی سے چار آگئی ہیں۔

چاروں لڑکیوں کو سُسرال گئے کافی مدت ہوگئی۔ ایک دن برہمن کے دل میں آئی کہ جا کر دیکھوں کہ چاروں لڑکیاں سُسرال میں کس طرح رہ رہی ہیں۔

پہلے وہ اُس لڑکی کے پاس گیا جو کُتیا کی بچی تھی۔

سمدھی نے اُس کی اچھی طرح آؤ بھگت کی اور کہا:۔"پنڈت جی! ہم آپ کے بہت احسان مند ہیں۔ آپ نے باقی تین قدروں کی پرواہ نہ کرکے میرے لڑکے کے ساتھ اپنی لڑکی کا بیاہ کیا۔ اس میں مَیں اپنی بڑی عزّت محسوس کرتا ہوں۔ آپ کی لڑکی بہت لائق ہے۔ گھر کا سب کام کاج بھی کرلیتی ہے۔ لیکن اس میں کچھ عیب بھی ہیں۔ وہ بِلا وجہ سب سے لڑتی ہے۔ گھر میں سب چیزیں موجود ہوتے ہوئے بھی پڑوسیوں سے مانگے بغیر نہیں رہتی۔ صبح ہوتے ہی جب تک دس گھر نہیں گھوم لیتی اُسے چین نہیں پڑتا۔ ہم نے اُسے بہتیرا کہا ہے کہ تُو گھر گھر پھرنا چھوڑ دے۔ لیکن اُس کی یہ عادت نہیں جاتی۔" برہمن نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور اپنے دِل میں کہا:۔ "یہ تو کُتیا کی ہی اولاد۔"

اس کے بعد وہ اپنی اُس لڑکی کے پاس گیا جو سُوّرنی کی بچّی تھی۔ یہاں بھی سمدھی نے اُس کی آؤ بھگت کی اور کہا:۔"شری مان جی! باقی تین سمدھیوں کی پرواہ نہ کرکے آپ ہمیں اپنی لڑکی دی۔ اس کے لئے ہم آپ کے بہت شکر گزار ہیں۔ آپ کی لڑکی بھی بہت لائق ہے۔ لیکن اُس میں ایک بڑا عیب ہے وہ بہت گندی رہتی ہے۔ اچھے سے اچھے کپڑوں کو دو ہی دن میں خراب کرلیتی ہے۔ کھانے کا ڈھنگ

بھی اُسے نہیں آتا۔ چاندی کے تھال میں الگ الگ پڑے ہوئے کھانوں کو ایک ہی جگہ ملا کر چٹ کر جاتی ہے۔ جب جی چاہے کھانے بیٹھ جاتی ہے۔ گھر میں کوئی چیز رکھی دیکھتی ہے تو اٹھا کر کھانے لگتی ہے۔ سڑک پر کوئی خوانچے والا آواز لگاتا ہے تو اُسے بُلا لیتی ہے اور اُس سے لے کر چاٹ پکوڑی کھاتی ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ ایک تو وہ پیٹ کی سُورنی ہے دوسرے گندی رہتی ہے۔ برہمن نے اپنے دل میں کہا:۔"آخر ہے تو سُورنی کی ہی اولاد۔"

اس کے بعد وہ اپنی اُس لڑکی کے پاس گیا۔ جو گدھی کی بچّی تھی۔ یہاں بھی سمدھی نے اُسی طرح اُس کی خاطر داری تعریف کی جس طرح باقی دو سمدھیوں نے کی تھی۔ سمدھی نے اُس کی لڑکی کی بھی تعریف کی اور کہا: "آپ کی لڑکی بڑی سیدھی سادی اور بھولی بھالی ہے۔ بے چاری دن بھر کام میں لگی رہتی ہے چاہے کسی کام میں لگا دو۔ کبھی انکار نہیں کرتی۔ مگر یہ بات ضرور ہے۔ کہ کام آہستہ آہستہ کرتی ہے۔ کتنا ہی جلدی کا کام ہو ایک گھنٹے کے کام میں چار گھنٹے لگا دے گی۔ اگر جلد کرنے کے لئے کہو تو کام خراب کر دے گی۔ کبھی کبھی کام کرتے وقت پڑوسیوں سے باتیں کرنے لگتی ہے۔

اور کام کرنا بھول جاتی ہے۔ سست اتنی ہے کہ کھانا پکاتے پکاتے سو جاتی ہے۔ ڈانٹ پھٹکار کا اُس پر کوئی اثر ہی نہیں۔ عقل تو بھگوان نے دی ہی نہیں کسی بات کو بار بار سمجھاؤ پھر بھی نہیں سمجھتی۔ بچے اُسے کبھی کبھی گدھی کی بچی' کہہ دیتے ہیں"۔ برہمن نے دل میں کہا:۔"کون میری لڑکی ہے؟ یہ تو گدھی کی ہی اولاد"
آخرکار وہ اپنی لڑکی کے پاس گیا۔ یہاں بھی اُس کی آؤ بھگت ہوئی۔ سمدھی نے اُس کی لڑکی کی بہت تعریف کی اور کہا:۔"پیارے بھائی! آپ کی لڑکی بہت شریف اور نیک خصلت ہے۔ جس دن سے ہمارے گھر آئی ہے۔ ہمارے گھر کی غریبی دور ہو گئی صبح سویرے سب سے پہلے اُٹھتی ہے۔ سارے گھر کی صفائی کرتی ہے۔ ہمیشہ نہا دھو کر پوجا پاٹھ کرتی ہے۔ خالی وقت میں رامائن اور بھاگوت پڑھتی ہے۔ کھیل تماشے اُسے اچھے نہیں لگتے۔ میلا دیکھنے آج تک نہیں گئی سب کو بڑی محبت سے کھلاتی پلاتی ہے۔ ساس سسر پتی اور دوسرے بزرگوں کی خدمت کر کے خوش ہوتی ہے۔ اُس کا برتاؤ اور بول چال کا ڈھنگ بہت اچھا ہے۔ گھر کے اور باہر کے سب لوگ

اُس سے خوش رہتے ہیں۔ وہ گھر کی سب چیزوں کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ کوئی بے فائدہ خرچ نہیں ہونے دیتی۔ جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہی منگاتی ہے۔ بے کار چیزوں کو جمع کر کے نہیں رکھتی۔ اپنے لئے آج تک کبھی ایک ساڑھی لانے کو بھی نہیں کہا۔ جب ہم خرید کر لاتے ہیں تو کہتی ہے۔ ابھی اس کی کیا ضرورت تھی۔ زیور تو پہنتی ہی نہیں۔ وہ اپنے سہاگ ہی کو سب سے بڑا زیور سمجھتی ہے۔ میں اُس کی خوبیوں کی کہاں تک تعریف کروں وہ تو مجسم دیوی ہے"۔ برہمن نے دل میں کہا: "آخر ہے تو انسان کی ہی اولاد"۔

اس کے بعد وہ خوش ہو کر گھر واپس آگیا۔

منمتھ ناتھ گپت

بنگال کی لوک کہانی

کلاوتی

ایک راجہ تھا۔ اُس کے سات رانیاں تھیں۔ راجہ کی سلطنت بہت بڑی تھی۔ فیل خانے میں ہاتھی گھوڑسال میں گھوڑے، خزانے میں موتی اور ہیرے کھچا کھچ بھرے تھے۔

کسی بات کی کمی نہیں تھی ۔ کمی تھی تو بس ایک بات کی ۔ وہ
یہ کہ سات رانیاں ہوتے ہوئے بھی کوئی لڑکا نہیں تھا۔
ایک دن رانیاں نہا رہی تھیں کہ تالاب کے کنارے سے
ایک بابا جی آ گئے ۔ اور اُنھوں نے بڑی رانی کے ہاتھ میں
ایک جڑی دیتے ہوئے کہا :۔" اِسے سِل پر پیس کر ساتوں رانیاں
کھا جائیں ۔ سب کے ایک ایک لڑکا ہوگا۔"
رانیاں بہت خوش ہوئیں اُنھوں نے فیصلہ کیا کہ آج
سارے کام ہم خود کریں ۔ اور پھر جڑی کھائیں ۔ اِس لئے
کوئی کھانا پکانے کوئی ترکاری کاٹنے کوئی مسالہ پیسنے میں
لگ گئی ۔ بابا جی کی دی ہوئی جڑی بڑی رانی کے پاس تھی
اُس نے پانچویں رانی کو جڑی دیتے ہوئے کہا :۔" اسے بانٹ
لو اور ہم لوگ تھوڑی تھوڑی کھائیں "۔ پانچویں نے کچھ خود
کھا لی پھر بڑی رانی کو دی ۔ وہ اُس نے کھا لی ۔ اس طرح
سے کھاتے کھاتے کچھ نہیں بچا اور چھوٹی رانی جو باہر کے
حصّے میں کہیں مچھلی بنا رہی تھی وہ جڑی کھانے سے رہ
گئی ۔ جب چھوٹی رانی نے یہ ماجرا دیکھا تو وہ پچھاڑ کھا
کر گر پڑی ۔ اب رانیاں ایک دوسرے کو الزام دینے
لگیں ۔ آخر ایک رانی نے کہا :۔ کیوں نہ سِل بٹہ دھوکر
اسے پلا دیا جائے ۔ ایک رانی تو کٹوری دھوکر پی ہی

چکی ہے ۔ ہونا ہوگا تو اسی سے اس کے بھی لڑکا ہو جائے گا۔"
آخر کیا کرتی چھوٹی رانی نے بس کی دھوون ہی پی لی
دس مہینے دس دن گذرنے پر پانچ رانیوں کے تو لڑکے
پیدا ہوئے ۔ جس نے کٹوری دھو کر پی تھی ۔ اُس کے پیٹ
سے ایک اُلّو اور چھوٹی رانی کے پیٹ سے ایک بندر
پیدا ہوا۔ پانچ رانیوں کے دروازے پر ڈھول بجنے لگے
اور دونوں رانیوں کے گھروں میں رونا پیٹنا مچ گیا ۔ راجہ
نے پانچ رانیوں کی تو بہت عزّت کی اور باقی دو رانیوں
کو محل سے نکال باہر کیا ۔ چھوٹی رانی چڑیا خانے میں نوکرانی
ہو گئی ۔ اور چھوٹی رانی گوبر اکٹھا کرتی ہوئی ماری ماری
پھرنے لگی ۔

رفتہ رفتہ کمار بڑے ہوئے اور اُلّو اور بندر بھی بڑے
ہوئے پانچ کماروں کے نام اس طرح سے ہوئے ۔ ہیرا
کمار، مانک کمار، موتی کمار، پکھراج کمار اور کانچن کمار ۔ اُلّو کا نام
پڑا بھتوا اور بندر کا نام پڑا بدھوا۔

پانچ کمار پانچ پکشی راج گھوڑوں پر پھرا کرتے تھے ۔
اُن کے ساتھ بے شمار سپاہی اور دوسرے لوگ اردل
میں رہتے تھے ۔ بھتوا بدھوا ایک مولسری کے درخت
پر رہتے تھے ۔

پانچوں راج کمار کہیں اسے پیٹتے تھے تو کہیں اسے نوچتے تھے۔ لوگ اُن سے پریشان تھے۔ بدھوا گوبر اکٹھا کرنے میں ماں کا ساتھ دیتا تھا۔ اور بُھتوا چڑیا خانے میں چڑیوں کو چُگا کھلاتا تھا۔

پانچ کمار پانچ بختی راج کماروں پر حکم کرتے تھے۔
بُھتوا اور بدھوا ایک مولسری کے درخت پر رہتے تھے

ایک دن سب راجکمار ٹہلنے نکلے تو انھوں نے درخت پر بُھتوا اور بدھوا کو دیکھا۔ بس انھوں نے حکم دے دیا کہ انھیں پکڑ لیا جائے۔ تھوڑی ہی دیر میں دونوں جال میں پھنسا لیے گئے، اور انھیں پنجروں میں بند کر کے راج محل میں لایا گیا۔ بُھتوا اور بدھوا نے جب یہ دیکھا کہ یہ تو بہت عمدہ جگہ ہے تو وہ راجکماروں سے کہنے لگے:۔"ہم لوگوں کو لے آئے ہو تو ہماری ماؤں کو بھی لے آؤ۔" کماروں نے پوچھا:۔"تمھاری مائیں کہاں ہیں؟"

اس پر اُن دونوں نے اپنی ماؤں کا حال بتایا کمار بولے :۔" بھلا انسان سے بھی اُلّو اور بندر پیدا ہوتے ہیں ؟" یہ کہہ کر وہ ہنسنے لگے۔

لیکن ایک سپاہی نے اُن رانیوں کا ماجرا سُنایا اور کہا کہ یہ اُنھیں رانیوں کے بیٹے ہیں۔ سُن کر کماروں نے حکم دے دیا کہ ان دونو منحوسوں کو فوراً راج محل سے نکال باہر کیا جائے"۔ ایسا ہی ہوا۔

سونے کی کھاٹ پر بیٹھیں چاندی کی چوکی پر پاؤں رکھ کر پانچ رانیاں بال سنوار رہی تھیں۔ ایک باندی نے آکر خبر دی کہ ندی کے کنارے ایک طوطا پنکھی جہاز آ لگا ہے۔ اُس میں چاندی کے چپو اور ہیرے کی پتوار ہے۔ اُس جہاز میں بادلوں کے رنگ کے بال والی لڑکی سونے کے طوطے سے بات کر رہی ہے۔ فوراً سب رانیاں دوڑ کر اُس لڑکی کو دیکھنے چلیں۔

اُس وقت تک طوطا پنکھی لنگر اٹھا کر روانہ ہو چکا تھا جہاز سے بادلوں کے رنگ کے بال والی لڑکی نے کہا۔ موتی کا پھول موتی کا پھل جہاں ہو وہ دیس میرا

ہے ۔ وہاں اپنے لڑکوں کو بھیجنا "

جب تک جہاز اور دور نکل گیا ۔ اس میں سے پھر اس لڑکی نے کہا:۔"جو لڑکا موتی کے پھول لانے کے قابل ہوگا ۔ اس کی باندی ہو کر میں آؤں گی "

طوطا پنکھی تو چلا گیا اور اِدھر رانیوں نے کماروں کو خبر دی ۔ کمار کشتی راجوں پر چڑھ کر آئے ۔ راجہ نے بھی ساری باتیں سُن کر مور پنکھی تیار کرنے کا حکم دیا۔ تدبیر کرنے کے لئے خاص دربار بُلایا گیا ۔ بھتوا اور بدھوا بھی وہاں پہنچے ۔ بدھوا ایک چھلانگ میں راجہ کی گود میں جا کر بیٹھ گیا ۔ اور بھتوا راجہ کے کندھے پر جا بیٹھا دربار میں کہرام مچ گیا ۔ اور سب لوگ دوڑ پڑے بدھوا اور بھتوا نے راجہ کو پتا جی کہہ کر پکارا ۔ اس پر راجہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ۔

پانچ جھنڈیاں اڑاتے ہوئے پانچ مور پنکھی کنارے پر لگے ۔ رانیاں اپنے کماروں کو بڑے ٹھاٹھ سے چڑھانے کے لئے آئیں ۔ اِدھر راجہ بھی بدھوا اور بھتوا کو لے کر آئے ۔ اس پر بھتوا اور بدھوا نے کہا کہ انھیں بھی مور پنکھی چاہئے رانیوں نے جو یہ بات سُنی تو اُن کے ایک ایک طمانچہ جمایا اور الگ کر دیا راجہ ٹکر ٹکر دیکھتے

رہ گئے۔ کچھ بول نہ سکے۔ رانیوں کے سامنے اُن کا منہ نہیں کھلا۔

راجہ اور رانیاں تو چلی گئیں اب بدُھوا نے بُھتو ا سے پوُچھا:"بھائی اب کیا کریں؟"

بُھتوا بولا:۔"کچھ سمجھ نہیں آتا"

بدُھوا نے کہا:۔"چلو بڑھئی کے ہاں چلیں"

اُدھر بُھتوا اور بدُھوا کی مائیں رو رو کر دن کاٹتی تھیں۔ اُنھوں نے سُنا کہ پانچوں کمار مورپنکھی لے کر روانہ ہو گئے۔ اس پر وہ اور بھی رونے لگیں۔ پھر اُن لوگوں نے جا کر ندی میں سپاری کے درخت کی دو ڈونگیاں چھوڑ دیں۔ اُن کی خواہش تھی۔ کہ اُن کے لڑکے بھی مورپنکھی پر جائیں بُھتوا اور بدُھوا ناؤ بنوانے کے لئے بڑھئی کے ہاں جا رہے تھے کہ راستے میں اُنھوں نے ان ڈونگیوں کو دیکھا۔ اُنھوں نے نے کہا:۔"یہ تو بہُت اچھا ہوا۔ چلو انھیں پر چلیں"

راجکماروں کے مورپنکھی تین بڑھیوں کے مُلک میں پہنچے۔ فوراً ہی تین بوڑھے پیادوں نے آکر مورپنکھیوں کو روک لیا اور کماروں اور اُن کے سپاہیوں، نوکروں وغیرہ کو تھیلوں میں بھر کر بڑھیوں کے پاس پہنچایا۔ بڑھیوں نے بغیر پانی کے اُنھیں نگل لیا۔ اور وہ سو گئیں۔ بہت رات گئے کمار آپس میں

بات کرنے لگے۔ کہ یہ تو اچھا رہا کہ عمر بھر کے لئے بُڑھیوں کے پیٹ میں قید ہو گئے۔ اب نہ تو دطن جانا ہو گا اور نہ ماؤں سے ملنا ہو گا۔

وہ یہ بات کہہ ہی رہے تھے کہ باہر سے آواز آئی "بھیّا بھیّا"۔ اندر سے آواز آئی :۔ "ہم پیٹ میں ہیں"

باہر سے آواز آئی :۔ "کوئی بات نہیں۔ میں بڑھیا کی ناک کے رستے دُم ڈالتا ہوں تم لوگ اُسے پکڑ کر چلے آو"

کماروں نے ایسا ہی کیا اور باہر آ کر دیکھا کہ بُدھوا اور تُجتوا ہیں۔ بندر اور اُلّو نے کہا :۔ "بولو نہیں فوراً تلوار سے بُڑھیوں کے گلے کاٹ ڈالو"

ایسا ہی ہوا۔ پھر سب لوگ جا کر مورپنکھیوں پہ سوار ہو گئے اور بُدھوا تُجتوا کو کسی نے پُوچھا بھی نہیں۔

مورپنکھی ساری رات چل کر صُبح لال ندی کے پانی میں داخل ہوئے۔ لال ندی کا کوئی کنارہ نہیں تھا۔ اس لئے ملاح راستہ بھول گئے۔ مور پنکھی سمندر میں جا گرے۔ ملاح ہائے ہائے کرنے لگے۔ سات دن سات رات تک مورپنکھی سمندر میں تیرتے رہے۔ اب پانچوں مور پنکھی ڈوبنے لگے کمار اب بُدھوا اور تُجتوا کو یاد کرنے لگے۔ یاد کرتے ہی وہ آ گئے۔ اور اپنی سپاری کی ڈونگیوں کو مورپنکھیوں

سے باندھ کر کماروں کے پاس آئے اور ملاحوں سے
اُنھوں نے کہا:۔"شمال کی جانب چلو۔"
تھوڑی ہی دیر میں مورپنکھی کسی ایسی ندی میں پہنچی
جس کے دونوں کناروں پر طرح طرح کے پھولوں اور پھلوں
کے درخت لگے ہوئے تھے کئی دن کے بھوکے پیاسے
کُمّار اور طرح طرح کے کھانے کھا پی کر سیر ہو گئے۔ جب وہ سیر ہو گئے
تو کمّار بولے:۔"بندھ اور آنو کو ساتھ رکھنے سے شگن خراب ہو
گا۔ اِنھیں پانی میں پھینک دو۔ ان کی ڈونگیوں کو بھی
کھول دو۔"
تھوڑی دور گئے ہوں گے کہ ایک جگہ بغیر کسی وجہ
کے سب مورپنکھی ڈوب گئے۔ کسی کا پتہ ہی نہیں رہا۔
تھوڑی دیر میں بدھوا اور بھتوا کی ڈونگیاں آئیں۔ تو بدھوا
بولا:۔"میرا دل کہہ رہا ہے کہ یہاں ہمارے بھائی مُصیبت
میں پڑ گئے ہیں ڈبکی لگا کر دیکھا جائے۔"
بُھتوا بولا:۔"مرنے دو۔ مجھے خوشی ہے۔"
بُدھوا بولا:۔"ایسی بات نہ کہو بھائی۔ مَیں کمر میں
رسی باندھ کر اُترتا ہوں۔ جُونہی رسی میں کھچاؤ آئے مجھے
اٹھا لینا۔" یہ کہہ کر بُدھوا نے ڈبکی لگائی اور بھتوا بیٹھا رہا۔
بُدھوا نے پاتال میں پہنچ کر دیکھا کہ ایک لمبی سُرنگ

سے ۔ بدھوا سرنگ میں داخل ہوا ۔ وہاں ایک راج محل
ملا۔ وہ بہت ہی خوبصورت تھا ۔ لیکن وہاں نہ تو کوئی آدمی
تھا نہ آدم زاد ۔ وہاں ایک سو سال کی بڑھیا بیٹھی گدڑی
سی رہی تھی ۔ اُس نے بدھوا کو دیکھتے ہی گدڑی پھینک
کر ماری ۔ فوراً ہی ہزاروں سپاہی آ کر بدھوا کو باندھ کر
راج محل میں لے گئے ۔ وہاں کماروں نے اس کا استقبال
کیا ۔ بدھوا نے کہا : اچھا ! یہ ہے نیکی کا بدلہ !"
اگلے دن وہ مرا ہوا دکھائی دیا ۔ تو باندیوں نے اُسے
اُٹھا کر پھینک دیا ۔ بدھوا مرا تو تھا نہیں یونہیں کر کے
پڑا تھا ۔ اِدھر اُدھر نظر دوڑا کر بدھوا نے دیکھا کہ راج
محل کی تیسری منزل پر بادلوں کے رنگ کے بال والی
راج کماری سونے کے طوطے کے ساتھ بات کر رہی ہے
بدھوا درختوں سے ہوتا ہوا چھت پر پہنچا ۔ اُس وقت راج
کماری سونے کے طوطے سے کہہ رہی تھی :۔ "سونے کے
طوطے ، چاندی کے پنجرے اور ہیرے کی پتوار بے کار گئی
کوئی آیا ہی نہیں ۔"
راج کماری کے بالوں میں موتی کا پھول تھا ۔ بدھوا
نے آہستہ سے اُس پھول کو لے لیا ۔ طوطے نے راجکماری
سے کہا :۔ "دیکھو تو تمھارا پھول کدھر گیا ؟"

راج کماری نے بالوں میں ہاتھ ڈال کر دیکھا۔ کہ پھول نہیں ہے اب طوطا بولا:۔"وہ تمہارا دولہا آگیا۔"

دتی نے پیچھے مڑ کر جب دیکھا۔ کہ ایک بندر ہے تو وہ ڈر کے مارے پچھاڑ کھا کر گر پڑی۔ لیکن راج کماری کیا کرتی اُس نے جو شرطیں رکھی تھیں۔ پُوری ہو گئیں اِس لئے بدھوا کو پتی تو بنانا تھا ہی۔ ہوش میں آ کر اُس نے بندر کے گلے میں مالا ڈال دی اب بدھوا نے ہنس کر پُوچھا:۔"راج کماری تم کس کی ہو؟"

راج کماری بولی:۔"پہلے میں ماں باپ کی تھی پھر میں اپنی ہوئی۔ اب میں تمہاری ہوں۔"

بدھوا بولا:۔"اگر ایسا ہی ہے تو تم میرے بھائیوں کو چھوڑ دو۔ اور میرے ساتھ میرے گھر چلو۔ میری مائیں تمہارا انتظار کرتی ہوں گی۔"

راج کماری بولی:۔"تم مجھے یوں نہیں لے جا سکو گے میں اس ڈبیا میں بیٹھتی ہوں۔ تم مجھے اِسی ڈبیا میں رکھ کر لے چلو۔"

بدھوا نے ایسا ہی کیا اتنے میں طوطے نے نقارے پر چوٹ ماری اور فوراً بازار لگ گیا۔ راجکماری

والی ڈبیا دوکان داروں کی ڈبیوں میں مل گئی
بُدھوا نے دیکھا کہ تو اچھا تماشا ہے اُس
نے نقارے پر چوٹ ماری ۔ دائیں چوٹ مارتا تو بازار
بستا اور بائیں چوٹ مارتا تو بازار اُجڑ جاتا ۔ بس بُدھوا
نے جیسا بندر کی عادت ہے ۔ ایک بار دائیں اور
پھر بائیں چوٹ شروع کی ۔ ایک منٹ میں کئی
کئی بار بازار بسا اور اُجڑا ۔ دوکان دار مال رکھتے
ڈھوتے تھک گئے ۔ آخر اُنھوں نے بُدھوا کو اُس
کی ڈبیا واپس کی اور ہاتھ جوڑے ۔
بُدھوا نے ڈبیا لے لی ساتھ ہی ساتھ نقارہ
بھی لے لیا راج کماری نے نکل کر کہا کہ بھوک
لگی ہے ۔ درخت سے پھل لے آؤ ۔ بُدھوا پھل لینے
گیا ۔ وہاں پھل تو بہت عمدہ تھے لیکن درخت کے
نیچے ایک اجگر پھنکار رہا تھا ۔ بُدھوا نے سُوت کا
دھاگا نکالا اور اپنی کمر سے وہ دھاگا باندھ کر
درخت کے کئی چکر لگائے ۔ پھر دھاگے کو کس دیا۔
تو اُس میں لگے ہوئے مانجھے کے سبب اجگر کے کئی ٹکڑے
ہو گئے ۔ اس کے بعد بُدھوا پھل لے آیا۔ پھر بُدھوا
نے اپنے پانچوں بھائیوں کو مع اُن کے لشکر اور

سامان کے ایک ساتھ باندھ لیا بُڑھیا کی گدڑی چھین لی اور پھر پیڑ کی رسی کو کھینچا۔ مجھتوا نے اُسے اُوپر سے کھینچ لیا۔ فوراً سب لوگ اُوپر آ گئے۔ اور ملاحوں نے مور پنکھیوں کو چلا دیا۔

بدھوا جا کر مور پنکھی کی چھت پر بیٹھا اور اُتو مستول پر بیٹھ گیا چھت پر بدھوا ڈبیا کے اندر کسی سے بات کرتا تھا۔ پتوار والے ملاح نے پانچوں راج کماروں کو یہ خبر دی راج کماروں نے کہا:۔ "اچھا یہ بات ہے"

جب رات گہری ہوئی۔ اور سب لوگ سو گئے تو راج کماروں نے جا کر بدھوا کی ڈبیا چُرا لی اور اُسے نقارے اور گودڑی سمیت پانی میں دھکیل دیا۔ مجھتوا مستول پر تھا۔ اُسے ایک تیر مار کر پانی میں ڈال دیا۔ پھر ڈبیا سے راج کماری کو نکال کر اُس سے راج کماروں نے پوچھا۔ "اب بتاؤ کہ تم کس کی ہو؟"

راج کماری بولی:۔ "نقارہ جس کا میں اُس کی"

راج کماروں نے اُسے مور پنکھی کی ایک کوٹھڑی میں قید کر لیا مور پنکھی آ کر کنارے

پر لگ گئے۔ راجہ آئے رانیاں آئیں ساری رعایا
آئی۔ لوگوں کو معلوم ہُوا کہ بادلوں کے رنگ کے
بال والی راج کماری کو لایا گیا ہے۔ رانیوں نے
رواج کے مطابق دھان اور دودھ سے آشیرباد دے
کر کلاوتی راج کنیا کا استقبال کیا۔ رانیوں نے پُوچھا
:۔" راج کماری تم کس کی ہو؟"
راج کماری بولی :۔" نقارہ جس کا میں اُس کی"
ایک ایک کر کے رانیوں نے سب راج کماروں
کا نام لیا اور پوچھا :۔" تم فلاں کی ہو؟" اس پہ
اُس نے پانچوں بار میں جواب دیا : رانیوں نے
:۔" پھر ہم لوگ تمہیں کاٹ ڈالیں گے"۔
راج کماری بولی :۔" ایک مہینے تک میرا برت
ہے۔ یہ ختم ہو جائے تو پھر جو چاہے کرنا"۔
بھتوا اور بدھوا کی مائیں ایک دن دُکھ کے
مارے ندی میں ڈوبنے جا رہی تھیں کہ اتنے میں
بھتوا اور بدھوا ماں ماں کرتے ہوئے آ گئے۔ اگلے
دن اُن کی جھونپڑیوں کے پاس نقارے کی بدولت
بڑا بھاری بازار لگا۔ اور سب درختوں میں ایک سے
ایک بڑھیا پھل لگ گئے۔ پھر دیکھا گیا کہ ہزاروں

سپاہی پہرے پر ہیں راجہ کے پاس خبر گئی۔ اُدھر کلاوتی نے بھی کہا کہ میرا برت پُورا ہو گیا۔ اب مجھے مارنا ہو مار دیجئے۔ کاٹنا ہو کاٹیے۔ راجہ کی آنکھیں کھُل گئیں؛ اور اُنھوں نے حکم دیا کہ دُھوم دھام کے ساتھ چھُٹی اور چھوٹی رانی کو شاہی محل میں لایا جائے۔ پانچوں رانیوں نے سُن کر دروازے بند کر دیئے کلاوتی نے اُن کا استقبال کیا۔

اگلے دن بہت دھوم دھام سے بُدھوا کے ساتھ اُس راج کماری کی شادی ہوئی اور مُجھوا کے لئے ہیرا وتی راج کماری مل گئی تو پانچوں رانیوں نے دروازے کھولے پانچوں راج کماروں نے راجہ نے ان کے دروازوں کو باہر سے کانٹے اور مٹی لگوا کر بند کر دیا۔

ایک دن رات کو بادلوں کے رنگ کے بال والی راج کماری اور ہیرا وتی سو رہی تھیں۔ اُنھوں نے جا کر دیکھا۔ کہ اُن کے پلنگوں پر بندر اور اُلّو کی کھال رکھی ہے۔ دونو راجکماریوں نے باہر جھانکا تو دو بہت خوبصورت راج کمار راج محل پر پہرا دیتے ہوئے دکھائی دیئے۔ اب دونوں نے ایک تدبیر سے

ان کی کمانوں کو جلا ڈالا۔ کمانوں کی بدبُو سے دونو راج کمار بھاگ آئے۔ اور اُنھوں نے کہا: "تم لوگوں نے یہ کیا کیا؟" لیکن راج کماریوں نے کہا: "ہم نے اچھا کیا!"

راجہ بہت خوش ہوئے۔ بُدھوا کا نام بُدھ کمار اور بُھتوا کا نام رُوپ کمار رکھا گیا۔ اور سب لوگ سُکھ سے رہنے لگے۔

بنہ ۵

گھوڑا بہت زور سے اوپر آسمان کی
طرف اڑا اور ساتھ ہی راجکمار
کو بھی لے گیا

سوراشٹر کی لوک کہانی

پشمی لالی ٹھکر

کاٹھ کا گھوڑا

پاٹن نگر میں پُھول سنگھ نام کا ایک دھرماتما راجہ راج کرتا تھا۔ بیاہ کے کئی برس گزر جانے پر بھی اس کے کوئی بیٹا نہ ہوا تھا اس لئے برہمنوں اور پنڈتوں کے کہنے

پھر اُس نے بھگوان شیو کی پوجا شروع کی۔ کچھ دن بعد شوجی کی مہربانی سے اُس کے ہاں ایک بہت خوبصورت بچہ پیدا ہُوا۔ ساتویں برس راجکمار کو ایک پاٹھ شالہ میں پڑھنے کے لئے بھیجا گیا۔ وہاں ایک بڑھئی کے لڑکے سے اُس کی بہت گہری دوستی ہو گئی۔ اُن دونوں میں محبت اتنی زیادہ بڑھ گئی کہ راجہ اور درباریوں کو بہت فکر ہوئی اور وہ انھیں ایک دوسرے سے الگ کرنے کی تدبیریں سوچنے لگے لیکن راجکمار کسی کی بھی بات نہیں سنتا تھا۔ اُس نے سب سے کہہ رکھا تھا کہ اگر کوئی میرے دوست کی بے عزّتی کرے گا اور اُسے ناراض کرے گا تو میں اپنی جان دے دوں گا۔ آخر بڑھئی کے لڑکے نے خود ہی اپنی دانائی سے راجکمار سے الگ ہونے کی ایک ترکیب سوچی۔ وہ اس کی اجازت لے کر بڑھئی کا کام سیکھنے کے لئے دُور کسی نگر میں چلا گیا راجکمار کو اس سے دُکھ تو بہت ہُوا۔ لیکن اُس نے اپنے دوست کی بھلائی کا خیال کر کے اُسے جانے کی اجازت دے دی جاتے ہوئے اس نے بڑھئی کے لڑکے سے وعدہ لے لیا کہ وہ واپس آتے ہوئے اُس کے لئے کوئی حیران کر دینے والی چیز لے کر آئے گا۔

بڑھئی کا لڑکا کسی اچھے اُستاد کی تلاش میں اِدھر اُدھر

بھٹکتا رہا ۔ دُور بہت دُور ندی نالے پار کرکے کئی گاؤں بستیاں اور شہروں سے گزر کر وہ ایک نگر میں پہنچا جہاں ایک بہت بڑے کاریگر سے اُس کی ملاقات ہوئی۔ کاریگر نے بہت پیار سے بڑھئی کے لڑکے کو اپنے پاس رکھا اور کام سکھانے لگا ۔ آٹھ برس تک لگاتار محنت کرنے کے بعد وہ ایک ماہر کاریگر ہو گیا ۔ کاریگر نے ایک دن اس سے کہا ۔ " اب تم اپنے گھر جا کر دولت اور شہرت حاصل کر سکتے ہو۔"

بڑھئی کے لڑکے نے جواب دیا ۔ "میں اپنے نگر میں اُس وقت تک نہیں گھس سکتا جب تک اپنے پیارے دوست راجکمار کے لئے کوئی حیرانی کی چیز نہ لے جاؤں ۔"

کاریگر اُسے اُسی وقت گودام میں لے گیا اور اُس نے اُسے ایک خوبصورت کاٹھ کا اڑنے والا گھوڑا دیا جو گھومنے والے پیچوں کی مدد سے آسمان میں اڑتا تھا ۔ کاریگر نے گھوڑے کو اڑانے اور روکنے کی ترکیب اُسے سمجھا دی گھوڑا پا کر بڑھئی کا لڑکا بہت خوش ہُوا اور شکرگزار دل کے ساتھ اپنے نگر میں پہنچا جہاں اُس کا خوب دھوم دھام سے استقبال کیا گیا۔

نوجوان بڑھئی نے وہ گھوڑا اپنے دوست راجکمار

کو دکھایا ۔ دوسرے دن صبح وہ دونوں گھوڑے کی آزمائش
کرنے کے لیے ایک باغ میں گئے راجکمار گھوڑے کی پیٹھ
پر سوار ہو گیا اور غور سے اس کی جانچ پڑتال کرنے لگا
نہ جانے کب کس طرح اُس کی اُنگلی اصلی پیچ کو
چھو گئی ۔ گھوڑا بہت زور سے اوپر آسمان کی طرف اُڑا
اور ساتھ ہی راجکمار کو بھی لے گیا ۔ بڑھئی کا لڑکا
بھونچکا سا منہ بنائے آسمان کی طرف کھڑا دیکھتا رہ گیا
کچھ دیر بعد راجکمار کی تلاش کے لئے چاروں طرف
دوڑ دھوپ ہونے لگی ۔ بڑھئی کے لڑکے نے سارا واقعہ
کہہ سنایا لیکن کسی کو یقین نہ آیا اور شک میں پکڑ
کر اُسے قید میں ڈال دیا گیا ۔

اِدھر آسمان میں اُڑتے ہوئے راجکمار نے ہر طرح
سے کوشش کی کہ کسی طرح گھوڑے کی تیز چال کم ہو جائے
لیکن اُسے کوئی کامیابی نہ ہوئی آخر بہت دیر کے بعد
اچانک اُس کا ہاتھ ایسے پُرزے پر پڑ گیا جس سے
اڑتا ہوا گھوڑا ٹھہر گیا اور کنک پور میں جا کر
رُکا ۔ زمین پر اُتر کر راج محل کو نزدیک ہی ایک
چھوٹا سا خوبصورت باغیچہ دکھائی دیا وہ اُسی میں
گھس گیا اور درخت کی ٹھنڈی چھاؤں میں پڑ کر سو گیا

باغیچے میں راجہ کی مالن رہتی تھی ۔ اُس نے سوتے ہوئے راج کمار کو جگایا اور اُس کی دُکھ بھری کہانی سُن کر بیٹے کی مانند اُسے اپنے پاس رکھ لیا ۔ وہ وہاں نہایت آرام سے رہنے لگا ۔ مالن ہر روز کنک پور کی راجکماری کے لئے خوشبودار پھول ، ہار ، گلدستے وغیرہ سجا کر لے جایا کرتی تھی ۔ ایک دن خود راجکمار نے راجکماری کے لئے ایک بہت خوبصورت گجرا گوندھا اور اُس میں اپنے ہاتھ کی انگوٹھی چھپا کر رکھ دی ۔ راجکماری گجرا اور انگوٹھی پا کر بہت خوش ہوئی ۔

بڑھئی کا لڑکا بھونچکا سا سامنے بنائے آسمان کی طرف دیکھتا کھڑا رہ گیا!

وہ انگوٹھی والے راجکمار کو دیکھنے کے لئے بے تاب ہو اُٹھی اور اس نے خفیہ طور پر اُسے اپنے محلوں میں بُلوایا۔ راجکمار کاٹھ کے گھوڑے پر چڑھ کر آسمان کی راہ سے محل میں داخل ہُوا وہاں دونوں نے چُپ چاپ بغیر کسی کو بتائے آپس میں بیاہ کر لیا۔

بہت دنوں تک محل میں رہتے رہتے راجکمار کا جی بھر گیا اس لئے ایک دن چُپ چاپ وہ راجکماری کے ساتھ گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ کر آسمان میں اُڑ چلا۔ گھوڑا ایک سنسان گھنے جنگل میں جا کر رُکا۔ راجکماری بہت تھک گئی تھی۔ اُسے زور کی پیاس بھی لگی تھی آس پاس پانی ملنا مشکل تھا۔ اس لئے راجکمار گھوڑے پر چڑھ کر اُس کے لئے پانی ڈھونڈنے چلا گیا اور وہ وہاں اکیلی رہ گئی۔ جب راجکمار گھوڑے پر چڑھا ہُوا بہت تیزی سے اڑا آ رہا تھا تو اچانک اس کا گھوڑا پہاڑ کی چوٹی سے ٹکرا کر ایک بڑی ندی میں جا گرا۔ اُدھر راج کماری پیاس سے بیکل ہو کر بے ہوش سی ہو رہی تھی اُس وقت اس کے ایک خوبصورت بیٹا پیدا ہُوا۔ وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑی۔ نئے پیدا ہوئے بچے کو ایک بھیڑیا اُٹھا کر لے گیا۔

ندی میں گرنے پر راجکمار کو ایک بہت بڑی مچھلی نے نگل لیا۔ لیکن اُسی وقت وہ مچھلی ایک ماہی گیر کے جال میں پھنس گئی۔ اور اس طرح مچھلی کو چیرنے پہ راجکمار کی جان بچ گئی

راج کمار کی خوبصورتی اور دانائی سے ماہی گیر پر اتنا زیادہ اثر ہوا کہ اس نے اپنی ناؤ مکان اور مچھلی کا بیوپار وغیرہ سب کچھ اس کے سپرد کر دیا ۔ راجکمار جلد ہی ایک ہوشیار بیوپاری ہو گیا ۔

ادھر بارش کی ہلکی پھوار سے راجکماری کی بے ہوشی دور ہوئی اور جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ وہ اپنا بچہ اور شوہر دونوں گنوا بیٹھی ہے تو دُکھ سے پاگل سی ہو گئی ۔ روتی کڑھتی بھوک اور پیاس سے پریشان ہو کر وہ اِدھر اُدھر بھٹکتی رہی ۔ آخر وہ گوکل پور پہنچی جہاں ایک بڑھی جادو گرنی نے اُسے اپنی پناہ میں رکھ لیا ۔ بڑھیا بہت امیر تھی اور اس نے ایک تالاب کے درمیان اپنا محل بنوا رکھا تھا راجکماری بہت آرام سے اس کے پاس رہنے لگی اور اس کے مرنے کے بعد اُس کی دولت اور محل کی مالکن ہو گئی ۔ وہ پھر پہلے کی طرح شان سے رہنے لگی ۔

راجکماری کا بچہ جسے بھیڑیا اُٹھا کر لے گیا تھا ایک شکاری راجہ کے ہاتھ پڑ گیا اُس کے کوئی بیٹا نہ تھا ۔ وہ ایسا خوبصورت بچہ پا کر پھولا نہ سمایا اور اُس نے جا کر اُسے اپنی رانی کو سونپ دیا رانی اسے اپنے بیٹے کی طرح پالنے پوسنے لگی اور شاہی ٹھاٹھ میں وہ بچہ بڑا ہونے لگا ۔ بوڑھے راجہ کے مرنے کے بعد رانی نے اُسے اپنے شوہر کے تخت پر بٹھا دیا ۔ ایک دن راجہ شکار کے لئے گیا گوکل پور

رانی روتی ہوئی اپنے شوہر کے قدموں پر گر پڑی۔ ماں باپ اور بیٹے تینوں کا ملاپ بہت ہی انوکھا تھا۔

مانگنے لگا۔ رانی نے بھی اپنے بیٹے کو سینے سے لگا لیا۔ اب
راجکمار اپنے کھوئے ہوئے باپ کو ڈھونڈ نکالنے کی کوشش میں
لگ گیا۔

اس واقعہ کے چند دن بعد ایک امیر بیوپاری ملک کی سرحد
پر ۔ اس کے پاس بے شمار قیمتی جواہرات اور ہیرے تھے
وہ دربار میں بھی بُلایا گیا۔ بیوپاری کا چہرہ راجکمار کے چہرے
سے اتنا ملتا جلتا تھا کہ لوگ اچنبھے میں آکر ایک دوسرے کی
طرف دیکھ رہے تھے۔ راجکمار کو بھی کچھ شک ہونے لگا۔ اُس نے
بیوپاری سے پوچھا۔ "آپ اتنے امیر کس طرح ہوئے؟"
بیوپاری کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اس نے اپنی پچھلی زندگی
کی کہانی کہہ سنائی۔ اُس نے کہا کہ "میں اپنی پیاری بیوی کے کھو
جانے سے بہت دُکھی ہوں۔"

ساری کہانی سننے کے بعد راجکمار اپنے باپ کو پہچان گیا
اپنی ماں کے پاس لے گیا۔ رانی روتی ہوئی اپنے شوہر کے
قدموں پر گر پڑی۔ ماں باپ اور بیٹے تینوں کا ملاپ بہت ہی
انوکھا تھا۔ سارے ملک میں جشن منایا گیا لیکن بڑا راجہ اتنی
خوشی اور چہل پہل میں بھی اداس تھا۔ اُسے رہ رہ کر اپنے
بڑھئی دوست کی یاد آ رہی تھی جو اُس کے سبب ابھی تک قید
میں پڑا سڑ رہا تھا۔ اس لئے وہ اپنے کنبے اور کچھ سپاہیوں

کو لے کر اپنے ملک میں گیا جہاں بوڑھے راجہ رانی نے اُس کا خوب استقبال کیا ۔ اُس نے فوراً بڑھئی کے بیٹے کو قید سے باہر نکالا اور ایک خوبصورت عورت سے اُس کا بیاہ کر دیا ۔ ملک میں خوب خوشیاں منائی گئیں ۔ گھی کے دئے جلائے گئے اور چاروں طرف خوشی ہی خوشی چھا گئی ۔ راجہ اور بڑھئی — دونوں دوست — اپنے اپنے گھر والوں کے ساتھ سُکھ سے رہنے لگے ۔

چندر کرن سون رکسا

مارواڑ دیش کی لوک کہانی
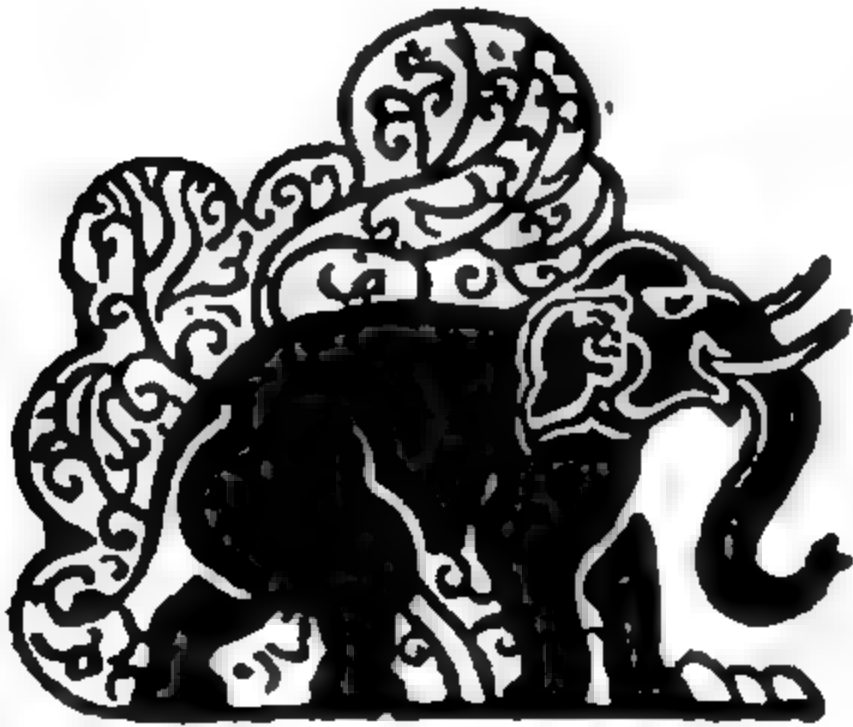
لکشمی کا آشیرواد

اچھے

ایک دفعہ دھرم راج اور لکشمی لوگوں کی آزمائش کرنے کے لئے جاڑے کی ایک شام کو جب کہ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی کمزور بوڑھے اور بڑھیا کی صورت بنا کر اس دنیا میں آئے

شہر کے ایک امیر کے دروازے پر جا کر وہ پھاٹک کھٹکھٹانے لگے۔ دروازہ کھول کر سیٹھ جی نے جب انہیں دیکھا تو بگڑ کر بولے: "ارے کیچڑ بھرے [illegible] سے سارے دالان میں مٹی پھیلا دی۔ بھاگو یہاں سے"

"سیٹھ جی ہم رات کے وقت کہاں جائیں؟" بڑھیا گڑگڑائی "سردی سے جان نکل رہی ہے۔ کہیں سونے کو جگہ دے دو" [illegible] سیٹھ نے دروازہ بند کر لیا۔

دونوں کو [illegible] سیٹھ کے نوکر کے [illegible] ایک

ٹوٹا پھوٹا سا گھر دکھائی دیا۔ اُس کے ٹوٹے کواڑ میں سے دیئے کی روشنی کی ایک کرن بھی دکھائی دی۔ بوڑھے نے بڑھیا سے کہا:۔ "آؤ چلو اُس گھر میں ہی آسرا مانگ کر دیکھیں"

بڑھیا نے کہا:۔ جب اتنے بڑے سیٹھ نے اپنے ہاں جگہ نہیں دی تو یہ کنگال کیا دیں گے۔ اور ٹھہرنے کو جگہ مل بھی گئی تو رات بھر میں بغیر اوڑھنے بچھونے کے ان پھٹے بھیگے کپڑوں میں جان ہی نکل جائے گی۔" بوڑھا بولا:۔ "کچھ بھی ہو مجھ سے تو ا ادھر چلا نہیں جاتا۔"

"سیٹھ جی ہم—
بڑھیا گڑگڑائی

ں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھٹکھٹایا مرے سے بھی
ہاتھ میں دیا تھامے میلی کچیلی دھوتی پہنے ایک عورت

نے دروازہ کھولا۔ اُن دونوں کی حالت دیکھتے ہی وہ ہمدردی کے سے لہجے میں بولی :۔"ہائے ! ہائے ! بابا تم اس اندھیری رات میں کہاں بھٹک رہے ہو۔ آؤ آؤ اندر آجاؤ۔"

اُنھیں سہارا دے کر وہ اندر لے گئی۔ چھوٹی سی کوٹھڑی میں صرف دو ٹوٹی چھوٹی چارپائیاں پڑی تھیں۔ اُن میں سے ایک کو خالی کر کے عورت نے اُن سے بیٹھنے کو کہا۔ بُوڑھے بُڑھیا کے کپڑوں کا پانی ٹپکنے سے کوٹھڑی گیلی ہو چلی تھی۔ لیکن بڑ اُس عورت نے اس کی ذرا بھی پروا نہ کرکے جلد جلد انگیٹھی میں آگ سُلگا کر اُنھیں تاپنے کو کہا پھر الگنی پر سے دو پُرانے گر دُھلے ہوئے کپڑے لا کر بولی :۔"بابا! آپ لوگ اپنے بھیگے ہوئے کپڑے کر اِنھیں پلیٹ لو۔ کیا کروں میں بہت غریب ہوں اس لئے اِنھیں دو کپڑوں میں گزر کرنی ہوگی۔ آپ کے کپڑے میں نچوڑ کر پھیلا دوں گی۔

اُنھیں کپڑے بدلوا کر وہ دالان میں گئی۔ اور پیتل کی دو چھوٹی چھوٹی تھالیوں میں بتھوے کا ساگ اور باجرے کی روٹی رکھ کر لے آئی اُس نے بڑھیا سے

کہا: "آج میرے گھر میں یہی بھگوان کا پرساد ہے۔ مجھے بہت دُکھ ہے کہ نہ تو گھر میں گھی ہے۔ نہ دودھ اور نہ چینی۔"

دونوں نے کہا: "کوئی بات نہیں بیٹی۔ ہمیں تو اس کھانے میں مزا آرہا ہے۔"

تھوڑی دیر میں اُس عورت کا شوہر بھی آگیا۔ وہ بے چارہ بھی روزگار کی تلاش میں دن بھر پھرتا رہا تھا۔ اور اب تھکا ماندہ واپس آرہا تھا۔

بیوی نے مہمانوں کو کھانا کھلا دینے کی بات اُسے چپکے سے دروازے بتا دی تھی۔

بھی بہت خوش ہوا پھر دونوں نے اپنے بچھونے اُن دونوں بوڑھوں کو دے کر اُنھیں تو کھاٹ پر سُلا اور آپ دونوں ایک پھٹا ٹاٹ اوڑھ کر زمین پر لیٹ گئے۔

صبح مُنہ اندھیرے ہی جب پانی بند ہوگیا تو وہ بُوڑھا بُڑھیا جانے لگے۔ سرلا (عورت) نے اُنھیں ہاتھ جوڑ کر سُورج نکلنے تک روکا۔ پھر گھر میں جو تھوڑے سے چنے پڑے تھے۔ اُنھیں پیس کر آٹا گوندھا اور روٹیاں بنا کر اُن کے ساتھ باندھ دیں۔ اور کہا: "ماں

ہم غریب ہیں جیسی خدمت کرنی چاہیے۔ ویسے ہو سکی۔ اُمید ہے آپ معاف کریں گے"۔

بُڑھیا نے جواب دیا: "بیٹی! ہم غریبوں کی جو خدمت تو نے کی۔ اُس کا پھل تجھے بھگوان دیں گے۔ مگر آج تو جس چیز کو چھوئے گی وہ دن بھر خالی نہ ہوگی"

وہ لوگ چلے گئے۔ تو سرلا کو اپنی بتھوے کی ہانڈی کو صاف کرنے کا خیال آیا۔ رسوئی میں جاکر اُس نے ہانڈی اُٹھائی تو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اُس ہانڈی میں اشرفیاں بھری ہوئی تھیں۔ اب جو نے اُسے اُلٹ کر دیکھا تو وہ بھر گئی اُن اشرفیوں کو اٹھا رکھتی مگر ہانڈی میں بھر جاتیں دن بھر میں اُس کی کوٹھڑی اشرفیوں سے بھر گئی بس پھر تو اُس کے شوہر نے اُن اشرفیوں کو بیچ کر شاندار مکان مول لے لیا کپڑے کی ایک دوکان کھول لی۔ گھوڑا گاڑی اور ٹم ٹم خرید لی۔ اور وہ سکھ سے رہنے لگے

اُس سیٹھ کو جب یہ خبر ملی کہ اُس کے غریب پڑوسی ایک رات میں ہی امیر ہو گئے ہیں تو اُس نے سرلا اور اُس کے شوہر کو بُلا کر سبب پوچھا۔

سرلا نے سادہ دل سے سب کہانی سُنا دی۔

اب تو سیٹھ اور سیٹھانی کو رات دن یہی فکر رہنے لگی کہ کسی نہ کسی طرح وہ کراماتی بوڑھا بڑھیا مل جائیں تو وہ بھی ہنڈیا بھر اشرفیاں حاصل کریں۔

دیوتا لوگ تو خواہش کرتے ہی انسان کے دل کی بات جان لیتے ہیں۔ ایک رات جب بہت زور کا پانی برس رہا تھا۔ اور اولے پڑ رہے تھے۔ تو وہی بوڑھا بڑھیا پھر اسی سیٹھ کے دروازے پر پہنچے۔ دروازے پر کھٹ کھٹ سنتے ہی سیٹھ نے بجلی کی روشنی میں سے جھانک کر انھیں پہچان لیا۔ اور جلد جلد اپنی عورت کو انھیں لینے بھیجا۔ بجلی بجھا کر ایک ... ہاتھ میں لئے سیٹھانی باہر آئی۔ اور جھوٹی محبت دکھا کر بولی:۔ "ہائے! ہائے!! بابا تم کہاں بھٹک رہے ہو آؤ اندر آ جاؤ" پھر گھر کی سب سے ٹوٹی چارپائی پر انھیں بٹھا دیا۔ گھر میں بے شمار گرم کپڑے ہوتے ہوئے بھی وہ ان کے لئے دو پھٹے پرانے کپڑے لے آئی۔ اور بولی:۔ "بابا گھر میں اس وقت یہی موجود ہیں" پھر ان سے بغیر پوچھے ہی گھر میں پڑی ہوئی سب سے پرانی اور گھسی ہوئی تھالیوں میں بتھوے کا ساگ اور جوار کی روٹی بھی ... اوڑھنے کو دو پھٹے کمبل بھی کہیں سے منگا دیئے۔ پھر سیٹھ سیٹھانی بھی اسی کمرے میں گدے بچھا کر زمین پر لیٹ رہے۔

صُبح منہ اندھیرے ہی جب بُڈھا بُڑھیا جانے لگے۔ تو سیٹھانی نے چنا پیس کر روٹی بنائی اور اُن کے ساتھ باندھ دی اور بولی:۔"ماں ہم بہت کنگال ہیں۔ آپ کی خدمت نہ کر سکے۔ اُمید ہے آپ ہمیں معاف کریں گی"۔

بُڑھیا نے کہا:۔"بیٹی جیسی خدمت تُو نے کی اُس کا پھل تجھے بھگوان دے گا۔ ہاں آج تو جس کام کو ہاتھ میں لے گی وہ دن بھر ختم نہ ہو گا"۔

اُن لوگوں کے جاتے ہی سیٹھ سیٹھانی میں جھگڑا ہو پڑا۔ سیٹھ چاہتا تھا کہ بھوسے کی ہنڈیا میں کھولوں اور سیٹھانی چاہتی کہ میں کھولوں۔ دونوں نے ایک ساتھ ہنڈیا پکڑ لی اس چھینا جھپٹی میں ہنڈیا ٹوٹ گئی اور کمرے میں بھوسا ہی بھوسا بکھر گیا

سیٹھانی جھاڑو سے دھونے لگی۔ اب وہ تو کمرہ صاف کرتی اور کمرے میں بھوسا پھر بھر جاتا۔ صبح سے شام تک اُسے کرا ہی عذاب کرنا پڑا۔

ٹھیک ہے جس کی جیسی نیت ہوتی ہے۔ بھگوان اُسے ویسا ہی پھل دیتا ہے

بیل کماری

ایک راجہ کے سات لڑکے تھے چھ کا بیاہ ہو چکا تھا۔ سب سے چھوٹا راج کمار کنوارا تھا۔ چھوٹا راج کمار جب پڑھنے جاتا تھا تو ہر روز اُس کی چھوٹی بھابی اُسے یہی آشیرباد دیا کرتی: "تمہیں بیل کماری ملے۔"

چھوٹے راج کمار نے ایک دن پوچھا: "بھابی! بیل کماری کہاں ملے گی؟"

بھابی نے کہا: "یہاں سے سات ندی پار ایک جنگل ہے اُس میں ایک تالاب ہے۔ اُس تالاب میں ہی کماری رہتی ہے۔"

ایک دن بہت سویرے اُٹھ کر چھوٹا راج کمار محل سے چل دیا۔ چلتے چلتے سات ندیاں پار کر کے وہ ایک تالاب کے کنارے پہنچا۔ وہاں ایک مُنی کی جھونپڑی تھی۔ راج کمار نے اُسے پرنام کیا۔ مُنی نے پوچھا: "بیٹا! تم کہاں سے آئے ہو اور یہاں کیوں آئے ہو؟"

راج کمار نے کہا: "منی جی: میں بیل کماری کے لئے آیا ہوں"

منی نے کہا: "اس تالاب کو دیکھتے ہو نا؟ اس کے درمیان ایک ٹاپو ہے۔ اس ٹاپو پر بیل کا ایک درخت ہے اس پیڑ میں بیل کا ایک ہی پھل لگا ہے۔ بیل کماری اسی بیل میں سوئی ہوئی ہے۔ لیکن وہاں جا کر اسے لے آنا مشکل ہے۔ کیونکہ وہاں راکشسوں کا پہرا ہے"

راج کمار نے پوچھا: "ان سے بچ کر بیل کماری کو لے آنے کی کوئی ترکیب بھی ہے؟"

منی نے کہا: "ہاں یہ ترکیب ہے۔ کہ کوئی آدمی اس تالاب کو ایک سانس میں پار کر جائے۔ بیل کے درخت سے ایک بکرا بندھا ہوگا۔ بکرے کو کھول کر راکشسوں کے سامنے کر دے۔ راکشس اسے کھانے لگیں پھر وہ فوراً درخت پر چڑھ جائے اور بیل کو توڑ کر پانی میں کود پڑے اور بغیر سانس لئے کنارے پر چلا آئے۔ یہ سب کام ایک سانس میں ہونا چاہئے۔ کیونکہ سانس ٹوٹتے ہی راکشس اسے کھا جائیں گے

کمار نے ہمت کی۔ وہ ایک سانس میں جا کر بیل کو منی کے پاس لے آیا۔

مُنی نے کہا۔" بیٹا! اس بیل کے پھل کو گھر لے جا کر پھوڑنا اس کے اندر سے بیل کماری نکلے گی۔ لیکن خبردار رستے میں اسے توڑنا نہیں تو نقصان اٹھاؤگے۔"

راج کمار مُنی کو پرنام کر کے بیل لے کر اپنے گھر کی طرف چل دیا۔ کئی جنگل اور پہاڑ پار کرتے کرتے ایک شام وہ ایک تالاب کے کنارے پہنچا۔ راج کمار بہت تھک گیا تھا۔ وہاں بیٹھ کر ستانے لگا۔ تالاب بہت خوبصورت تھا۔ چاروں طرف ہرے ہرے کھیت لہلہا رہے تھے پرندے چہچہا رہے تھے۔ راج کمار نے سوچا:" لاؤ بیل کو پھوڑ کر بیل کماری کو نکالیں تو سہی۔ کہیں مُنی نے دھوکا دیا ہو۔"

راج کمار نے پھل توڑ ڈالا۔ اُس میں سے بیل کماری نکلی بیل کماری بہت خوبصورت تھی، راج کمار نے کہا "رانی! میں تھک گیا ہوں۔"

بیل کماری نے کہا:-"میری گود میں سر رکھ کر سو جاؤ۔"

راج کمار سو گیا۔ اُسی گھاٹ پر لوہار کی ایک لڑکی پانی بھرنے آیا کرتی تھی۔ وہ آئی اُس نے پوچھا:-"بہن! تم کون ہو؟"

بیل کماری نے کہا:- یہ راج کمار ہیں۔ اِن کے ساتھ میرا

بیاہ ہو گا۔"

یہ سُن کر لوہار کی لڑکی کے دِل میں کپٹ پیدا ہُوا۔ آنکھوں میں آنسو بھر کر کہنے لگی :۔"ہائے ! میں بُہت بدنصیب ہُوں ۔ میری ساس مُجھ سے پانی بھرواتی ہے ۔ بھلا میں اتنا بڑا گھڑا تالاب میں سے بھر کر اُوپر کس طرح آؤں ؟"

یہ کہہ کر وہ رونے لگی ۔ بیلی کماری کو اُس پر ترس آیا ۔ اُس نے راج کمار کے سر کے نیچے اپنی ریشمی چادر کا تکیہ بنا کر رکھ دیا ۔ اور اُٹھ کر لوہار کی لڑکی کا گھڑا لے کر وہ تالاب میں پانی بھرنے کے لیے جُھکی ۔ لوہار کی لڑکی نے چُپکے سے اُس کے پیچھے جا کر اُسے دھکا دیا ۔ وہ تالاب میں گر گئی اور ڈوب گئی ۔

لوہار کی لڑکی راج کمار کے پاس آئی اور اُس کا سر اپنی گود میں لے کر بیٹھ گئی ۔ راج کمار جب جاگا تب اُسے ایک خوبصورت بیلی کماری کے بدلے ایک بدصورت لڑکی کو دیکھ کر بُہت حیرانی ہوئی وہ سوچنے لگا :۔ ہو نہ ہو یہ مُنی کا حکم نہ ماننے کی سزا ہے ۔ ہائے ! میں نے بیلی کو راستے میں کیوں چھوڑا ؟"

لوہار کی لڑکی کو لے کر وہ اپنے گھر پہنچا ۔ بُہت دن گذر گئے ۔ لوہار کی لڑکی رانی کی طرح سُکھ سے رہنے لگی ۔ ایک

دن ساتوں بھائی شکار کو نکلے ۔ شکار کرتے کرتے وہ اُسی تالاب

ایک چھوٹے راجکمار نے تالاب کے کنارے جا کر کمان کو بڑھا کر

پھول کھینچ لیا اور ڈنڈی سے اسے توڑ لیا ۔

کے کنارے آ پہنچے ۔ جہاں لوہار کی لڑکی نے بیل کماری کو دھکا دیا تھا اُسی جگہ تالاب میں کنول کا ایک بڑا پھول کھلا تھا چھوٹے راجکمار کا دل اُسے دیکھ کر اُچھل اٹھا ۔ وہ کہنے لگا ۔ کیسا خوبصورت پھول ہے کیسا ہے کیسی اچھی خوشبو ہے ۔ اتنا بڑا پھول تو میں نے کبھی دیکھا ہی نہیں ۔ چاہیے

جو بھی ہو میں تو یہ پھول لئے بغیر یہاں سے جاؤنگا نہیں۔"

بڑے راج کماروں نے کہا:۔"دیکھنا، پھول نہ توڑنا۔ کہیں کسی راکشس نے جادو کیا [illegible] کنول کا پھول کہیں اتنا بڑا ہوتا ہے!"

لیکن چھوٹا راج کمار نہ مانا۔ تالاب کے کنارے جاکر کمان کو بڑھا کر اُس نے پھول کو کھینچ لیا اور ڈنڈی سے اُسے توڑ لیا۔

سب راج کمار گھر آئے۔ باقی تو طرح طرح کے جانوروں اور پرندوں کا شکار کر کے آئے تھے۔ مگر چھوٹے راجکمار کے پاس صرف لال رنگ کا ایک کنول تھا۔

چھوٹے راج کمار نے کنول کو اپنے محل میں لاکر رکھا ایک دن وہ سیر کے لئے باہر گیا ہوا تھا۔ لوہار کی لڑکی نے موقع دیکھ کر کنول کو کھڑکی کی راہ باہر پھینک دیا راج کمار نے واپس آکر دیکھا تو وہاں پھول نہیں تھا۔ اُس نے نقلی بہن کماری سے پوچھا تو اُس نے کہا۔ "پھول مرجھا رہا تھا۔ میں نے اُسے باہر پھینک دیا۔"

راج کمار نے کہا:۔ "ہائے! ہائے! بہن کماری! تمھارا دل بہت سخت ہے! بھلا اُس نے تمھارا کیا بگاڑا تھا۔"

پھول جہاں گرا تھا۔ تھوڑے دن کے بعد وہاں بیل کا

ایک درخت اُگ آیا۔ بڑا ہونے پر اُس میں ایک پھل لگا۔

دارکی لڑکی نے توڑ توڑ کر پھولوں کو کھڑکی کے باہر پھینک دیا۔

مالی نے اُسے توڑ لیا۔ گھر سے جا کر اُس نے اُسے پھوڑا تو اُس میں سے ایک بہت ، خوبصورت لڑکی نِکلی۔ مالی کے کوئی اولاد نہ تھی۔ لڑکی کو پاکر وہ بہت خوش ہوا۔ اور اُس سے بہت پیار کرنے لگا۔ نقلی رانی کو خبر ہوئی کہ مالی کے گھر ایک دیو کنیا پیدا ہوئی ہے۔ وہ بہت گھبرائی اور جان بوجھ کر

بیمار پڑ گئی۔ نقلی رانی کا ویدوں اور حکیموں نے بہت علاج کیا۔ لیکن کوئی روگ ہو تو دوا فائدہ بھی کرے۔ نقلی رانی نے ایک دن راج کمار سے کہا:۔ "میں نے رات خواب دیکھا ہے۔ کہ مالی کے گھر ایک لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ وہ ڈائن ہے۔ اُسے مار کر اُس کے لہو سے میں نہاؤں تو میرا یہ روگ جائے۔"

راج کمار نے اُسی وقت اُس لڑکی کا ہو انے کا حکم دیا۔ نقلی رانی اُس کے لہو سے نہائی۔ اور تب اُس کا روگ چھوٹا۔ مالی بے چارہ بہت رویا۔

مالی نے بیل کماری کے جسم کو لے جا کر اپنے باغ میں گاڑ دیا۔ کچھ دنوں کے بعد وہاں پھر ایک بیل کا درخت اُگا۔ بڑھتے بڑھتے وہ درخت بڑا ہو گیا اور اُس میں ایک پھل لگا۔

نقلی رانی سے راج کمار کی بنتی نہیں تھی۔ وہ سخت بد مزاج تھی۔ آئے دن بیماری کا کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے راج کمار کو پریشان کرتی تھی۔

ایک دن راج کمار کی ایک سادھو سے ملاقات ہوئی۔ سادھو نے راج کمار کی اداسی کا سبب پوچھا۔ راج کمار نے سب کچھ کہہ دیا۔ سادھو نے راج کمار کو ایک

انگوٹھی دی اور کہا:۔ اس انگوٹھی کے پہن لینے سے۔ تم پرندوں کی بولی سمجھ سکوگے۔ محل میں جی نہ لگے۔ تو باغ میں آکر چڑیوں سے کہانیاں سُنا کرو۔"

انگوٹھی پاکر راج کمار بہت خوش ہوا۔ وہ اُسی دن انگوٹھی پہن کر باغ میں گیا دو کبوتر آپس میں باتیں کر رہے تھے:۔"اس بدنصیب راج کمار کو دیکھو۔ لوہار کی لڑکی نے اِسے کیسا بے وقوف بنا رکھا ہے"۔

راج کمار انگوٹھی کے زور سے کبوتروں کی بولی سمجھتا تھا۔ اُس نے پوُچھا:۔"مجھ سے سب حال کھول کر کہو۔"

کبوتروں نے بیل کماری اور لوہار کی لڑکی کا سارا قصّہ کہہ سُنایا۔ سب حال سُن کر راج کمار بہت پچھتایا۔ اُس نے پوُچھا: "بیل کماری اب کہاں ملے گی؟"

کبوتروں نے بیل کا درخت دِکھا دیا اور کہا:"اس درخت میں ایک ہی پھل لگا ہے۔ بیل کماری اُسی میں ہے۔"

راج کمار نے بیل کو توڑ لیا۔ اُس میں سے بیل کماری نکل آئی۔ بیل کماری کو پاکر راج کمار بہت ہی خوش ہوا۔

وہ بیل کماری کو لے کر محل میں آیا۔ بیل کماری

کو دیکھتے ہی وہار کی لڑکی کا مُنہ ڈر کے مارے زرد ہو گیا ۔ راج کمار اُسے مارنے کو دوڑا ۔ بیل کماری نے ترس کھا کر اُسے بچا لیا ۔

وہار کی لڑکی آخر اپنے گھر چلی گئی ۔ اور راج کمار اور بیل کماری سُکھ سے رہنے لگے ۔

گنیش جی بولے "جی ہاں اُسے پچاس ہزار روپے تو دے دئے ہیں۔ باقی کے لئے بیٹے کو دیوار سے چپکا دیا ہے"۔

ظہور بخش

بندھیل کھنڈی کہانی

دیوتا کا دان

گاؤں کے باہر برگد کا ایک درخت تھا۔ جس کے پاس ہی گنیش جی کا ایک چھوٹا سا مندر تھا۔ گاؤں

ہیں اور مندر تھے ہی نہیں اس لئے سب لوگ اِسی مندر میں پُوجا کرنے آیا کرتے تھے۔
گاؤں میں ایک بھکاری بھی رہتا تھا۔ بھیک مانگنا ہی اُس کا کام تھا۔ گاؤں چھوٹا سا تھا۔ بھکاری کو کافی بھیک نہیں ملتی تھی۔ اس لئے وہ اور کوئی ذریعہ نہ دیکھ کر مندر کے دروازے پر بیٹھنے لگا۔ اُس نے سوچا۔ یہاں دھرم کے کام کرنے آتے ہیں اور نہیں تو پیٹ بھرنے لائق بھیک مل ہی جایا کرے گی۔
بھکاری دن بھر مندر کے دروازے پر بیٹھا رہتا۔ اور جب وہاں کسی کو آتے دیکھتا تو شِو شِو رٹنے لگتا تھا اس طرح بے چارہ دن بھر گنیش جی اور شِو جی کا نام لیا کرتا تھا۔ مگر شام تک اُسے جو بھیک ملتی تھی وہ صرف دو چار مُٹھی اناج اور کچھ پھل پھول اور کبھی کبھی دو چار پیسے۔ بھلا اتنی تھوڑی آمدنی سے کسی کی گذر کس طرح ہو سکتی ہے ؛ پھر بھکاری کو اپنی ہی نہیں اپنی بیٹی کی بھی فکر کرنی پڑتی تھی۔ اُس کی بیٹی کا نام تھا کملا اور وہ بہت سمجھدار تھی مگر صرف دانائی اور سمجھ بُوجھ

سے تو پیٹ کی آگ بجھتی نہیں۔ اُسے تو کھانا ملنا چاہیئے۔ اس لئے کملا کبھی کبھی اپنے باپ کو کھانے پینے کے لئے تنگ کرنے لگتی تھی۔ اُس وقت بھکاری کے دل پر بڑی چوٹ لگتی تھی۔ اُس کی آنکھیں بھر آتی تھیں۔ وہ فکر کے سمندر میں ڈوبنے لگتا تھا۔

گرمی کے دن تھے دوپہر کا وقت تھا۔ اُوپر آسمان اور نیچے زمین دھک دھک جل رہی تھی۔ چاروں طرف سناٹا چھا رہا تھا۔ ایسے ہی وقت میں مہادیو پاربتی لوگوں کا سُکھ دُکھ دیکھنے اس دُنیا میں آئے۔ چلتے چلتے وہ اُسی گاؤں میں پہنچے اور گنیش جی کے مندر کے سامنے سے نکلے بھکاری اُنھیں، آتا دیکھ کر زور سے 'جے شو جے شو' کی رٹ، لگانے لگا۔

بھکاری کی یہ حالت دیکھ کر پاربتی کو بہت ترس آیا۔ اُنھوں نے مہادیو جی سے کہا:- اُف! اس بھکاری کی طرف تو دیکھو! بے چارہ کتنا دُکھی ہے دیکھو تو کتنی لگن سے تمھارا نام جپ رہا ہے۔ مگر ایک تم ہو، کتنے بے رحم ہو! تم نے آج تک

اِس پر ترس نہیں کھایا۔ میں نے سُنا تھا کہ لوگ اب بڑے پاپی ہو گئے ہیں۔ وہ اب دیوتاؤں کی پُوجا نہیں کرتے۔ مگر نہیں۔ آج معلوم ہوا کہ اس میں اُن کا کوئی قصور نہیں ہے۔ سب قصور دیوتاؤں کا ہے۔ اِسی آدمی کو لو۔ بے چارے کو تمھارا نام لیتے برسوں گزر گئے۔ بدنصیب اتنے پر بھی پیٹ بھر کھانا تک نہیں پاتا۔ جب دیوتا ہی ایسے بے رحم ہو جائیں گے تو کوئی کیوں اُن کی پُوجا کرے گا؟"

مہادیو کو پاربتی کی بات چبھ گئی وہ کہنے لگے "اصل بات کیا ہے۔ یہ تم نہیں جانتیں۔ جان بھی نہیں سکتیں کیونکہ تمھارا دل ہی اتنا نرم ہے۔ مگر نہیں تم رنج کرو۔ میں آج ہی کچھ بندوبست کئے دیتا ہُوں جس سے اس بھکاری کا دُکھ دُور ہو جائے گا۔"

اتنا کہہ کر مہادیو جی پاربتی کے ساتھ مندر میں پہنچے۔ ماتا پتا کو آتے دیکھ کر گنیش جی اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ اُنھوں نے بہت محبت سے ماتا پتا کو پرنام کیا۔ مہادیو جی نے گنیش جی کو

آشیر باد دیا اور کہا۔ "بیٹا! یہ بھکاری برسوں سے تمہارے دروازے پر بیٹھا میرا نام جپا کرتا ہے۔ مگر تم نے اب تک اس پر رحم نہیں کیا۔ اب کچھ ایسی تدبیر کرو جس سے اس بے چارے کا دُکھ دور ہو جائے۔"

گنیش جی نے ہاتھ جوڑ کر جواب دیا: "اچھی بات ہے پتاجی۔ سات دن کے اندر اس کا دُکھ دُور ہو جائے گا۔ اُسے کہیں نہ کہیں سے ایک لاکھ روپے مل جائیں گے۔"

گنیش جی کا جواب سُن کر مہادیو پاربتی آگے چلے گئے۔

اسی وقت ایک بنیا مندر میں پوجا کرنے آیا تھا وہ آڑ میں چھپا ہوا مہادیوجی اور گنیش جی کی باتیں سُن رہا تھا اُس نے سوچا یہ تو بہت اچھا موقعہ ہے۔ اگر تھوڑی ہوشیاری سے کام لوں تو آسانی سے ایک لاکھ کا مالک ہو سکتا ہوں وہ بہت خوشی سے بھکاری کے پاس پہنچا۔ اور اُسے پرنام کر کے ایک طرف بیٹھ گیا بھکاری کو آج تک کسی نے پرنام نہ کیا تھا نہ کوئی اُس کے پاس آکر بیٹھا ہی تھا۔ بنیے کے اس برتاو سے بھکاری سمجھا کہ یہ ضرور کوئی بھلا مانس آدمی

ہے۔ وہ دل ہی دل میں خوش ہوا۔ اُس نے بنئے سے کہا:۔ "بابا، آپ بہت نرم دل نظر آتے ہیں مجھ میرے پاس آنے کی مہربانی کس طرح کی؟ آپ نہیں جانتے ہیں ایک غریب بھکاری ہوں"

بنئے کو تو اپنا مطلب نکالنا تھا میٹھے پن سے بولا "آپ بھکاری ہیں! کون کہتا ہے کہ آپ بھکاری ہیں؟ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ آپ ایک خدا رسیدہ مہاتما ہیں۔ اور آپ کے درشن سے لوگوں کے پاپ دور ہو جاتے ہیں۔ میں بھی آپ کے درشن کرنے چلا آیا ہوں مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے اگر اجازت ہو تو پوچھوں"

بھکاری:۔ "خوشی سے پوچھئے"

بنیا:۔ "بھلا دن بھر میں آپ کو کتنی بھیک مل جاتی ہے؟"

بھکاری:۔ "بھیک ملنے کی کیا پوچھتے ہو۔ پیٹ کے بھی لالے پڑے رہتے ہیں۔ روزانہ دو چار مٹھی اناج مل جاتا ہے۔ کبھی دو چار پیسے بھی مل جاتے ہیں۔ کسی طرح دن کاٹ لیتا ہوں"

بنیا:۔ رام رام آپ جیسے مہاتما اور یہ تکلیف! اس گاؤں کے آدمی بھی کیا آدمی ہیں؟ آپ کی تھوڑی بھی مدد نہیں

کرتے! آپ کس طرح یہ تکلیف سہہ لیتے ہیں؟ مجھے تو آپ پر بہت ترس آتا ہے میرے جی میں آتا ہے کہ آپ کی کچھ خدمت کروں لیکن کچھ ہوتے ڈر معلوم ہوتا ہے۔"

بھکاری: "آپ میری کیا مدد کر سکتے ہیں؟"

"ہیں، ہیں، ہیں"! بنیا دانت نکال کر بولا: "میری اتنی حیثیت کہاں جو آپ کی کچھ خدمت کر سکوں۔ مگر ایک بات ہے۔ آج سے سات دن تک آپ کو جو کچھ بھی ملے۔ مجھے دے دیجئے اس کے بدلے میں آپ کو سو روپے دے دوں گا۔"

سو روپیہ کا نام سنتے ہی بھکاری مارے خوشی کے اچھل پڑا۔ اس نے سوچا اگر سو روپے مل جائیں تو کیا کہنا! یہاں تو سات دن میں سات آنے کا سامان بھی نہ ملے گا۔ ایسی حالت میں سو روپے چھوڑ دینا سراسر بے وقوفی ہے۔ پورا گدھاپن ہے۔

مگر اسی وقت اسے اپنی لڑکی کا خیال آگیا۔ میں سو کا لے کر گھر پہنچا اور کملا بگڑنے لگی تو! اس کی صلاح بھی لے لینی چاہئے۔ بس یہ خیال آتے ہی اس نے بنئے کو جواب دیا۔ آپ نے مجھ پر بڑی مہربانی کی مگر میں ابھی

کچھ نہیں کہہ سکتا سوچ کر کل بتاؤں گا۔"

جب بنیا چلا گیا تب بھکاری نے کملا کو بلایا اور اُسے سب حال کہہ سنایا۔ دانا کملا فوراً سمجھ گئی کہ اِس میں ضرور بنیئے کی کوئی شیطانی ہے۔ اُس نے باپ سے کہا :۔"بنیا بغیر اپنے فائدے کے کیوں سو روپے دینے لگا خیر میں کل اُس سے سب باتیں طے کر لوں گی۔ مگر تم کچھ بیچ میں نہ بولنا۔"

اُدھر بنیئے کا بُرا حال تھا۔ رات بھر اُس کے پیٹ میں چوہے اُچھلتے رہے۔ بہت مشکل سے صبح ہوئی۔ بنیئے کی جان میں جان آئی۔ وہ ہاتھ مُنہ دھوتے ہی بھکاری کے پاس پہنچا۔ اور پہونچتے ہی بولا :۔"کیا سوچا ہے آپ نے!"

کملا بھی بنیئے سے نپٹنے کو تیار بیٹھی تھی۔ بنیئے کی بات سنتے ہی اُس نے جواب دیا :۔"سیٹھ جی ہم لوگوں نے سوچ لیا ہے۔ بھلا سو روپے میں کیا ہوتا ہے! اِتنا سستا سودا ہونا مشکل ہے معاف کیجیے"! کملا کا جواب سنتے ہی بنیئے پر گویا بجلی گر پڑی۔ مگر لاکھ روپے کا لالچ چھوڑنا بھی تو مشکل تھا۔ دو سو روپے دینے پر راضی ہو گیا۔ اب کملا کا شک اور بھی پکا ہو گیا۔ وہ سمجھ گئی کہ بنیا ضرور کسی بھاری نفع کے لئے ہی اتنے روپے دینا چاہتا

ہے۔ اُس نے جواب دیا: "سیٹھ جی اتنا سستا سودا اور کہیں ہوتا ہوگا۔ سو دو سو یا ہزار دو ہزار سے ہوتا ہی کیا ہے؟ جو چیز آپ کوڑیوں کے مول خریدنا چاہتے ہیں۔ وہ لاکھ روپے میں بھی سستی ہے۔"

یہ سُن کر بنیا بہت گھبرایا لیکن اُس نے اپنی کوشش جاری رکھی۔ مارے لالچ کے وہ اندھا ہو رہا تھا۔ اُس پر لالچ کا بھوت سوار ہو گیا تھا۔ اُس نے سو دو سو روپے سے بڑھ کر آخر پچاس ہزار لگا دیئے۔ اب کملا نے سوچا۔ اتنے روپے تھوڑے نہیں ہوتے۔ بیکار بیٹھے اس فائدہ کو چھوڑنا ٹھیک نہیں اُس نے بنئے سے کہا۔ "خیر آپ نہیں مانتے تو میں ہی آپ کی بات مان لیتی ہوں۔ مگر شرط یہ ہے کہ روپے ابھی ملنے چاہئیں۔" یہ شرط منظور کرنے میں بنئے کو کیا عذر تھا؟ وہ خوشی خوشی گھر آیا۔ اُس نے سوچا۔ "پچاس ہزار روپے دے کر ایک لاکھ لینا کچھ بُرا نہیں ہے۔ ایک لاکھ نہ سہی پچاس ہزار کا مالک تو بن ہی جاؤں گا۔ آہا! میری تقدیر بھی کتنی اچھی ہے۔ سات ہی دن میں پچاس ہزار کا نفع ہو گیا۔" اُس نے گھر آتے ہی بھکاری کے

پاس پچاس ہزار روپیہ پھینک دیتے۔

اب بنیا ہر روز بھکاری کے پاس آتا۔ اور اُس کی دن بھر کی بھیک گھر لے آتا۔ اِس طرح چھ دن بیت گئے۔ اب تو بنیئے کو بڑی فکر ہوئی۔ ساتویں دن وہ پھر گنیش جی کے مندر میں پہنچا۔ اُس نے دیکھا کہ آج پھر مہادیو پاربتی مندر میں آئے ہیں۔ بس وہ دیوار سے کان لگا کر اُن کی باتیں سُننے لگا۔ مگر کیا۔ اُس کا کان دیوار سے چپک گیا اُس نے کان چھڑانے کی بہت کوشش کی مگر کان ٹس سے مس نہ ہوا اب وہ داہنے ہاتھ کی مدد سے کان چھڑانے لگا اتنے میں ہاتھ دیوار سے چپک گیا۔

اِدھر مہادیو جی نے گنیش جی سے پُوچھا:۔ "بیٹا اس بھکاری کے لئے کچھ انتظام ہوا؟"

گنیش جی بولے جی ہاں اُسے پچاس ہزار روپیہ تو دلوا دیئے ہیں۔ باقی کے لئے بنیئے کو دیوار سے چپکا دیا ہے بنیا بہت لالچی کنجوس ہے۔ اس نے غریبوں سے ایک کے چار چار وصول کر کے اپنا گھر بنایا ہے۔ روپیہ وصول کرنے میں اس نے غریبوں پر رحم نہیں کیا اُن کے بچے بھوکوں مرتے

رہے۔ مگر اس نے چوگنے روپے وصول کر کے بھی صبر نہیں کیا۔ اس طرح اس نے ایک لاکھ روپوں سے اپنی تجوری بھرلی۔ غریبوں کے مال سے یہ شکھ نہیں اٹھا سکتا۔ اب جب تک بھکاری کو باقی پچاس ہزار روپے نہ دے دیگا دیوار ہی سے چپکا رہیگا"۔
گنیش جی کی باتیں سُن کر بنیئے نے اپنا سر پیٹ لیا۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو برسنے لگے! جب اُس نے گھر سے پچاس ہزار روپے منگوا کر بھکاری کو دیئے تب کہیں دیوار سے اُس کا پیچھا چھوٹا۔

ساوتری دیوی ورما

ناگا اور شیر
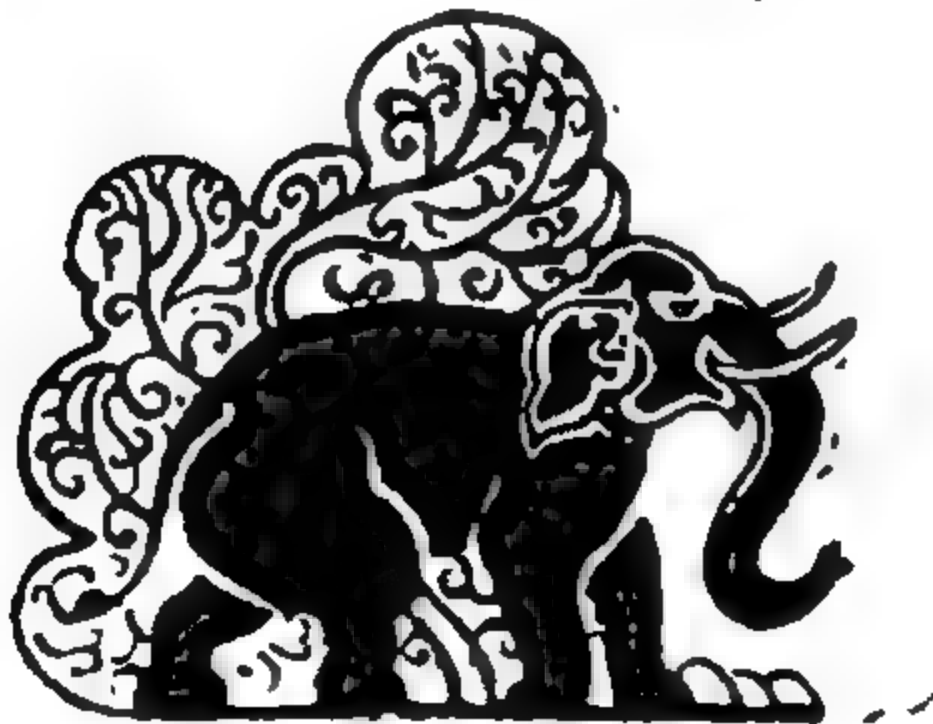
شیلانگ کے جنوب میں ڈنگی نام کا ایک پہاڑ ہے ایک زمانے میں وہاں اتنا گھنا جنگل ہوا کرتا تھا کہ دن کو بھی اماوس جیسا اندھیرا چھایا رہتا تھا۔ اونچے درختوں کے موٹے موٹے تنے اور چھتری کی مانند پھیلی ہوئی درختوں کی گھنی ٹہنیاں، گویا جنگل کو کسی ہری چھت نے ڈھانپ رکھا ہو کوسوں تک جنگل ہی جنگل تھا۔ نہ کوئی راہ نہ کوئی باٹ بیل بوٹوں، درخت، پودوں، اور جھاڑ جھاڑیوں کی بہتات کے باعث وہاں تل بھر جگہ پاؤں رکھنے کو نہیں بچی تھی

شروع میں لوہتاس جو ناگاؤں کا ایک بہادر سردار تھا وہاں آکر بس گیا رفتہ رفتہ اُس کا خاندان پھیلنے لگا اب انہیں اور جگہ درکار تھی ایک دن قبیلے کے سب لوگ اس بات پر غور کرنے کے لئے اکٹھے

کہ اب بابا نے مجبور ہو کر کہاں بتائے جائیں؟ ایک دلیر نوجوان بولا۔ "بھائیو! اب تو اس جنگل ہی کو کاٹا جائے تو ہمارا کام بن سکتا ہے۔"

دوسرا بولا۔ "مگر اس گھنے جنگل کو کاٹنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ یہاں تو ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا۔ بھلا ہم کلہاڑی کیسے کہاں چلائیں گے؟"

لیکن بہت سے نوجوانوں کی یہی رائے رہی کہ ایک سرے سے کٹائی شروع کر دی جائے تو رفتہ رفتہ جنگل صاف کیا جا سکتا ہے۔ آخر ایک رائے ہو کر سب کٹائی میں لگ گئے۔ سب سے پہلے انھوں نے ڈھاک کے ایک بڑے درخت کو کاٹنا شروع کیا۔ شام تک انھوں نے اس کا تنا کاٹ کر گرا دیا۔ درخت کے گرتے ہی جنگل میں کافی روشنی پھیل گئی۔ اس رات آدھی رات تک خوب گانا بجانا ہوتا رہا۔ مگر دوسرے دن سب نے حیرانی سے دیکھا کہ جڑ سے نیا تنا نکل آیا ہے اور درخت اور زیادہ گھنا ہو کر روشنی کو روکے کھڑا ہے۔ دوسرے دن انھوں نے پھر درخت کو کاٹ گرایا۔ مگر صبح ہوتے ہی وہ پھر اپنی جگہ نئے سرے سے اُگ کر گویا انھیں للکارتا ہوا کھڑا دکھائی دیا۔

سب نوجوان نا اُمید ہو گئے۔ صلاح کی کہ چلو اپنے قبیلے کے بوڑھے بابا سے اس کا بھید پوچھیں۔ ضرور اس

کراماتی درخت کے بارے میں کچھ جانتے ہوں گے۔ بوڑھے بابا نے ان کی بات سُن کر سر ہلا کر کہا دیکھو ایک بات میں تمھیں بتاتا ہوں ہمارے سب سے پہلے بزرگ کے ساتھ اُن کے ایک دوست نے دھوکا کیا تھا۔ انھوں نے اس دوست کو بد دُعا دی کہ جا تو شیر بن جا مجھے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اسی شیر کی برادری کا کوئی بدکار آکر ہمارے کام میں خلل ڈالتا ہے۔ شیر نہیں چاہتے کہ جنگل کاٹا جائے اور اُن کی سلطنت کے علاقے پر انسان کا قبضہ ہو۔ اس لئے تم لوگ آج رات کو چھپ کر دیکھو کہ اُس کٹے ہوئے درخت کے پاس کون آتا ہے

رات کو نوجوان ناگاؤں نے دیکھا کہ اس کٹے ہوئے درخت کے تنے کو ایک بھیانک شیر چاٹ رہا ہے اور جس حصے کو چاٹتا ہے وہ ہرا بھرا ہو کر اونچا بڑھتا جاتا ہے۔ دوسرے دن انھوں نے سارا حال بوڑھے سردار سے کہا سردار نے صلاح دی کہ جڑیں کھود کر اُس میں آگ لگا دی جائے تاکہ اُس کا نام و نشان بھی نہ بچے ایسا کرنے پر پیچ پڑے دوسرے دن درخت نہیں اُگا مگر شیر نے غصے میں آ کر سردار کے ایک نوجوان بیٹے کو مار ڈالا۔ جب سردار کو اس بات کی خبر ہوئی تو اس نے سب ناگاؤں کو

اکٹھا کر کے کہا۔ "دیکھو یہ شیر ہماری قوم کا دشمن ہے - اس کو جلد سے جلد ختم کر ڈالنا چاہیئے - تم لوگ درخت کے پاس کی زمین صاف کر کے وہاں دو درختوں کے تنے جوڑ کر کھڑے کر دو میں اُن کے پیچھے نیزہ لے کر کھڑا رہوں گا تم سب ڈھولک بجا کر شیر کو اُس طرف گھیر کر لے آنا"

دوسرے دن سب نے مل کر شیر کو گھیرنا شروع کیا۔ شیر بانسوں کے جھرمٹ میں پڑا سو رہا تھا۔ پیچھے سے ہُو ہا سُن کر وہ غرّاتا ہُوا آگے بڑھا اور اُسی درخت کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ بوڑھے سردار نے جب

رات کو نوجوان ناگاؤں نے دیکھا کہ اس کٹے ہوئے پیڑ کے تنے کو ایک جیسا بک شیر چاٹ رہا ہے اور جس حصے کو وہ چاٹتا ہے وہ ہرا بھرا ہو کر اونچا بڑھتا جا رہا ہے

شیر کو دیکھا تو اپنے جواں بیٹے کی موت کا بدلہ لینے کے ارادے
سے اس کے بازوؤں میں نوجوانوں کی سی طاقت بھر دی
اور اس نے نشانہ باندھ کر شیر پر نیزہ پھینکا۔ نیزہ شیر
کی پیٹھ میں آ کر لگا اور وہ نہایت مشکل میں غراتا ہوا
سردار پر جھپٹا۔ سردار نے اپنا سر ڈھال سے ڈھانپ کر آ چھلتے
ہوئے شیر کا پیٹ چھرے سے چیر کر رکھ دیا اور اپنی رسم
کے مطابق اس نے اپنے بیٹے کے قاتل کے پنجے کاٹ لئے۔ اس
کے بعد اس نے سب نوجوانوں کو اکٹھا کر کے کہا " اس شیر
کا سر کاٹ کر گاؤں کے درمیان جو درخت ہے اس پر لٹکا
دو۔ اور اس کے نیچے کی زمین کو کھود کر اپنے نیزوں کے دستے
گاڑ دو تاکہ اس کی شیرنی اب اس گاؤں میں گھسنے کی ہمت
نہ کر سکے۔

ایسا ہی کیا گیا۔ رات کو جب شیرنی اپنے شیر کو ڈھونڈتی
ہوئی اس درخت کے نیچے آئی تو بے شمار نیزوں کے دستوں کے نشان
دیکھ کر وہ سوچنے لگی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس گاؤں میں بہت
سے بہادر نیزہ بردار ہیں۔ اب یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں
مگر میں ان سے بدلہ تو ضرور لوں گی نہیں تو ہماری نسل
کی حفاظت کس طرح ہوگی؟"

شیرنی موقع کی تلاش میں رہی کہ کوئی ایسا ناگا رل

سکھا دے جس کی مدد سے میں اُن سے بدلہ لے سکوں
اتفاق سے ایک دن جنگل میں ایک ناگا سے اُس
کی ملاقات ہو گئی۔ اُس وقت شیرنی اپنے بچوں کو
شکار کے داؤ سکھا رہی تھی ناگا اکیلا تھا۔ اور بچے
تین۔ آدمی کی نسل کو دیکھتے ہی شیرنی کا خون کھولنے
لگا۔ مگر اُسے ایک بات سوجھی۔ اُس نے ناگا سے
کہا۔ "دیکھ میں چاہوں تو تجھے ابھی پھاڑ کر رکھ دوں
پھر بھی اگر تُو اپنے سردار سے مقابلے میں میری
مدد کرے تو نہ صرف میں تیری جان بخش دوں گی
بلکہ کئی اچھی اور انوکھی جڑی بوٹیاں بھی تجھے لا کر
دیا کروں گی۔ اُن کے استعمال سے تو جلد ہی ناگاؤں
کا سردار بن جائے گا۔"

وہ ناگا لالچ میں آ گیا اور اُس نے شیرنی
سے دوستی گانٹھ لی۔ اب وہ گاؤں میں لوگوں کو
جڑی بوٹی بانٹنے لگا۔ اور حکیم کی صورت میں کافی
مشہور بھی ہو گیا شیرنی رات کو اکثر اُس کے گھر
آتی اور اُسے جڑی بوٹیاں دے جایا کرتی۔ ساتھ
ہی ساتھ اُس سے گاؤں کا سب بھید پوچھ کر
وہ رات کو ایسی جگہ چھپ کر بیٹھ جاتی۔ جہاں

کوئی اکیلا ناگا پہرے پر ہوتا اور چپکے سے جا کر اُس پر حملہ کر دیتی۔ اِن حملوں سے ناگاؤں کا سردار بہت پریشان تھا۔ ایک دن اُس نے اپنے آدمیوں کو اکٹھا کر کے کہا۔

"ہو نہ ہو یہ شیرنی کی کرتوت ہے۔ اس لئے جنگل میں ہانکا ڈالو۔"

بات شیرنی کو اُس کے دوست ناگا نے جا کر بتا دی شیرنی خبردار ہو گئی۔ اور اُس دن اپنے بچّوں کے ساتھ وہ ایک گہرے غار میں جا چھپی۔ اُسی رات کو

شیر [illegible] سردار پر [illegible]
جھپٹتے ہوئے شیر کا پیٹ [illegible]

اُس نے پھر ایک نوجوان ناگا کو مار ڈالا۔ پھر سب نے مل کر ہانکا ڈالا۔ مگر شیرنی کا کہیں پتہ نہیں چلا کچھ سوچ کر سردار نے کہا۔ "ہو نہ ہو ہم لوگوں میں سے ضرور کوئی شیرنی کو سارا بھید بتا دیتا ہے۔ ٹھہرو میں

اس کا پتہ لگاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے کچھ منتر پڑھ کر راکھ اڑائی اور اس حکیم ناگا کی طرف اُنگلی اُٹھا کر کہا۔" یہی ہمارا بھیدی ہے۔ اگر یہ اپنے کو سچا ثابت کرنا چاہتا ہے تو اسے آٹھ دن کے اندر ہی ایک شیر مار کر اُس کی کھوپڑی کے اوپر ہاتھ رکھ کر قسم کھانا ہوگی۔ اگر یہ بے قصور ہے تو اس پر کوئی مصیبت نہیں آئے گی اور اگر اس نے اپنے فرشتے سے دھوکا کیا ہوگا تو آٹھ ہی دن میں اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔"

اُسی رات کو شیرنی جب اُس حکیم ناگا کے پاس آئی تو اُس نے شیرنی سے سردار کی ساری بات کہی۔ شیرنی بولی تو فکر نہ کر میں تجھے شیر کی ایک پُرانی کھوپڑی لا دوں گی"۔ مگر اتفاق سے اُس دن حکیم ناگا کا چھوٹا لڑکا جاگ رہا تھا اور اُس نے اپنے باپ شیرنی کی ساری بات سُن لی۔

دوسرے دن کھیل کے وقت اس نے یہ بات اپنے ساتھیوں سے کہہ دی۔ چپکے چپکے یہ بات سردار کے کانوں تک جا پہنچی۔ اب تو سردار کا شک اور پکّا ہو گیا اور اُس کے کہنے پر حکیم ناگا کی مشکیں کس کر جس درخت سے شیر

کا سر لٹک رہا تھا ۔ اسی سے اُسے پہچان لیا گیا ۔ لالچ
نے ۔ دوسرے دن سب گاؤں نے مل کر اچانک ہی شیرنی
کو جا گھیرا اور تیروں سے اس کا کام تمام کر دیا ۔ جب
وہ واپس آ گئے تو انھوں نے دیکھا کہ وہ حکیم بابا
بھی کھڑا ہو کر دم توڑ رہا ہے ۔ یہ دیکھ کر سردار بولا
یہ تو ہونا ہی تھا ۔ ہمارے بزرگوں کا کہنا ٹھیک ہے کہ جو
کبھی شیر سے دوستی کرے گا وہ اس شیر کے ہاتھوں ہی مر
جائے گا ۔ اسے اپنی کرنی کی ٹھیک سزا مل گئی ہے ۔

[illegible]
سلطنت میں ایسے خوبصورت علاقے بھی موجود ہیں

ہماچل پردیش کی لوک کہا

یشم ساہنی

انوکھی ہڈی

سورن دیش کے مہاراج اُدے گری پچاس برس
لر تک پہنچے۔ پہنچے مہاراج ادھیراج ہو گئے۔ دُور دُ
سکے ملکوں پر اُن کی فتح کا جھنڈا لہرا چکا تھا۔ آ

کی بہادری کی کوئی حد نہ تھی۔ بے شمار قیدی راجے اُن کے ہیبت ناک قلعے میں تاریک دیواروں کو دیکھتے ہوئے دم توڑ رہے تھے۔ اور اُنہی کے ملکوں کی حسین عورتیں مہاراج کے رنواس کی رونق بڑھا رہی تھیں۔ جب بھی مہاراج کی فوج کسی ملک کو روند کر واپس آتی مہاراج کے سونے کا خزانہ اور بھی بھر جاتا اور اُن کے تاج میں نئے ہیرے موتی چمکنے لگتے۔ مگر مہاراج کی آنکھیں اب بھی اُفق پر رُکی ہوئی تھیں۔

برسات کے موسم کے آخری دن تھے۔ مہاراج اپنے وزیروں کے ساتھ اپنی سلطنت کے شمالی پہاڑوں پر شکار کھیل رہے تھے۔ دوپہر ڈھل چکی تھی۔ مہاراج ایک نوجوان ہرن کا پیچھا کرتے ہوئے اپنا رستہ بھول گئے۔ شکار کے جوش میں وہ میلوں کی دُوری تک اپنا گھوڑا دوڑاتے چلے گئے۔ مگر ہرن کا کچھ پتہ نہ چلا جنگل کی حد آپہنچی اور مہاراج تھک کر ایک درخت کے نیچے کھڑے ہو گئے۔

مگر دوسرے ہی لمحے مہاراج نے سامنے آنکھ اُٹھا کر دیکھا تو مسرور ہو اُٹھے۔ ڈھلتے سورج کی لال روشنی میں سامنے ایک بڑا پہاڑ غرور سے اپنا سر اُوپر اُٹھائے کھڑا تھا۔ اور اُس کے قدموں میں ایک بڑی سی نیلی

جھیل بچھی ہوئی تھی۔ نہایت ہی صاف جھیل تھی۔ گویا قدرت کی لا انتہا خوبصورتی کا ایک آئینہ تھی۔ پہاڑ کی ترائیاں دیودار کے درختوں سے لدی ہوئی تھیں۔ اور دائیں طرف ڈھلان پر ایک چھوٹا سا شہر بسا ہوا تھا۔ جس کی چھتیں شام کی دھندلی روشنی میں دُور تک پھیلی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

مہاراج اس انوکھے منظر کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہے تھے۔ اتنے میں اُن کے ساتھی اُنھیں ڈھونڈتے ہوئے آ پہنچے۔

مہاراج نے خوش ہو کر کہا "میں نہیں جانتا تھا کہ میری سلطنت میں ایسے خوبصورت علاقے بھی موجود ہیں"

پاس کھڑے بڑے وزیر نے ہاتھ باندھ کر جواب دیا۔ "مہاراج یہ علاقہ آپ کی سلطنت کی حد سے باہر ہے۔ آپ کی سلطنت کی حد یہاں ختم ہو جاتی ہے جہاں آپ کھڑے ہیں"

"تو کیا یہ علاقہ میری سلطنت کا حصّہ نہیں ہے؟"

"نہیں مہاراج یہ ایک چھوٹا سا آزاد مُلک ہے جس کے لوگ مچھلیاں پکڑ کر اپنی گزر کرتے ہیں"

مہاراج کے دل میں ایک گہری ٹیس اُٹھی اُنھوں نے حسرت بھری آنکھوں سے دیکھا "یہ میرے مُلک کا حصّہ نہیں

ہے!" ایسا کہتے ہوئے اور اپنی مٹھیاں بھینچتے ہوئے وہ مصمم ارادے سے بولے۔

"آج ہی واپس جا کر فوج کو تیار کرو۔ بڑے وزیر! میں خود اس علاقے پر چڑھائی کروں گا۔ میری سلطنت کی سرحد اب وہ پہاڑ کی چوٹی ہوگی۔" یہ کہتے ہوئے مہاراج وہاں سے واپس چل دیئے۔

اس واقعہ کو ابھی دس دن بھی نہ ہونے پائے تھے کہ جنگل کا وہ پُرسکون علاقہ فوجیوں کی شیروں جیسی گرج سے گونجنے لگا۔ جنگل کے درندے بھی مہاراج کی بہادری سے خوف زدہ ہوکر بھاگ اُٹھے۔ جھیل کا پُرسکون پانی جس پر گاتے ہوئے ماہی گیر مچھلیاں پکڑتے اب اُنھیں کے خون سے لال ہونے لگا۔ مہاراج کے بہادر فوجیوں کے تیروں کی بوچھاڑ درختوں اور پتھروں کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کرنے لگی۔

تین دن گزر گئے۔ مہاراج کی فوج جھیل پار کر کے شہر کی دیواروں تک جا پہنچی۔ پھر بھی ماہی گیروں نے ہتھیار نہیں ڈالے۔ رات کے وقت جب مہاراج کی فوج میں فتح کا شور ہوتا تو شہر پر مرگھٹ کا سناٹا چھا جاتا۔ کہیں کوئی ٹمٹماتا دیا بھی نظر نہ آتا۔ ماہی گیر، بچے، بوڑھے دن بھر لڑتے

اور رات کو اپنے مُردہ رشتہ داروں کی لاشوں کو ٹھکانے لگاتے اپنے زخموں کو سہلاتے پھر اس بھیانک اندھیرے میں کہیں بھی اُمید کی کوئی کرن نہ دیکھتے زمین پر ہاتھ رکھ کر اپنی جانیں قربان کرنے کی قسم کھاتے۔

صُبح کا وقت تھا۔ مہاراج اپنے خیمے میں بیٹھے نئے حملے کی تجویز کر رہے تھے۔ اُسی وقت دربان نے آکر سلام کیا

"مہاراج ایک آدمی دروازے پر کھڑا ہے۔ آپ سے ملنا چاہتا ہے"

"کون ہے؟"

"کوئی بُوڑھا آدمی ہے مہاراج! کہتا ہے مرنے سے پہلے مہاراج کے درشنوں کی خواہش لے کر یہاں آیا ہوں"

"کوئی ایلچی ہو گا" ایک وزیر نے کہا۔

"یا بھیس بدلے کوئی فوجی ہو گا" دوسرے وزیر نے کہا۔

"اُس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں مہاراج! بہت بوڑھا ہے اور لاٹھی کے سہارے بہت مشکل سے کھڑا ہو سکتا ہے"

مہاراج نے آنے کی اجازت دے دی۔

تھوڑی دیر بعد ایک بوڑھا میلا سا لمبا چغہ پہنے عمر کے بوجھ سے دبا ہوا اپنی لاٹھی پر جُھک کر چلتا ہوا مہاراج

کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

راجہ نے کہا:- کیا بات ہے بزرگ؟ تم کون ہو؟ میرے پاس وقت بہت تھوڑا ہے۔ بوڑھا آداب بجا لا کر بولا:- مہاراج کی نیک نامی اور شہرت سے دُنیا کے چاروں گوشے گونج رہے ہیں۔ میں آپ کے درشنوں کے لئے یہاں چلا آیا ہوں۔"

مہاراجہ تھوڑی دیر تک اُس کے چہرے کی طرف دیکھتے رہے پھر آہستہ سے بولے۔

"دشمن کے مُلک سے آئے ہو!"

"نہیں مہاراج میں آپ ہی کی سلطنت کا خادم ہُوں۔ یہاں تھوڑی دُور میرا جھونپڑا ہے۔"

"تمُ کیا چاہتے ہو بزُرگ؟"

"دان دکشنا کا سوالی ہوں۔ مہاراج میں بہت بوڑھا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے بوڑھے نے اپنی لمبی پوشاک کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک چھوٹی سی سفید ہڈی کا ٹکڑا نکال کر بولا۔" مجھے اس ہڈی کے وزن برابر سونا دے دیا جائے مہاراج مجھے اور کچھ نہیں چاہیئے۔"

مہاراج نے ہڈی کو دیکھا۔ وہ ناخن سے بڑی نہ تھی اُسے دیکھ کر وہ یکایک ہنسنے لگے۔

"بوڑھی عمر میں لوگ پاگل ہو جاتے ہیں۔ اس ہڈی

کے برابر تو ایک رتی بھر سونا بھی نہ آئے گا بزرگ! اور کچھ مانگو۔"

میرے لئے آپ کے ہاتھ کا دیا ہوا ذرا سا سونا بھی خزانے کے برابر ہوگا مہاراج۔"

مہاراج نے ہنستے ہوئے ترازو منگوانے کا حکم دیا اور پاس پڑے ہوئے چاندی کے تھال میں سے سونے کی دو مہریں اُٹھا کر بوڑھے کی طرف پھینک دیں۔

"اِن کے ساتھ ہڈی کو تول لو بزرگ۔"

ترازو آئی۔ ایک پلڑے میں ہڈی کا ٹکڑا رکھا گیا اور دوسرے میں مہریں۔ مگر جب وزیر نے تولا تو ہڈی کا ٹکڑا بھاری نکلا۔ مہاراج شرمندہ ہوئے اور فوراً ہی دو مہریں اور نکال کر ترازو میں ڈال دیں۔ سوالی کا سوال چاہے چھوٹا ہو۔ لیکن سخی کو سخاوت میں فراخ دل ہونا چاہیئے۔

مگر ہڈی کا پلڑا پھر بھی بھاری نکلا۔

مہاراج حیران ہو گئے۔ اور ترازو میں سے ہڈی کو نکال کر دیکھنے لگے۔ پھر پُر جوش ہاتھوں سے چاندی کے تھال میں سے ایک ساتھ مٹھی بھر کر مہریں اُٹھا کر ترازو میں ڈال دیں اور ترازو کو اپنے ہاتھ میں لے کر خود تولنے لگے۔

مگر پہلے کی طرح ہڈی کا پلڑا اب بھی بھاری نکلا!
سب درباری حیران ہو کر ترازو کے پاس آ گئے۔ مہاراج
حیرت سے ہڈی کو دیکھ رہے تھے۔ موقع دیکھ کر بوڑھے
نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

ایک بڑا ترازو منگوائی گئی اور اس کے ایک پلڑے میں یہ حقیر سی ہڈی اور دوسرے میں چمکتی ہوئی مہروں سے بھرا ہوا سارے کا سارا انڈیل دیا گیا۔

"مہاراج میں اپنی ہڈی کو واپس لیتا ہوں۔ شاید آپ کے پاس اس کے برابر سونا دان کیلئے نہیں ہے۔"

مہاراج اس بے عزتی کو نہ سہہ سکے ایک بڑی ترازو منگوائی گئی
اور اس کے ایک پلڑے میں یہ حقیر سی ہڈی اور دوسرے
میں چمکتی ہوئی مہروں سے بھرا ہوا سارے کا سارا

تھال انڈیل دیا گیا۔
مگر ہڈی کا ٹکڑا جوں کا توں بھاری نکلا۔
"یہ جادو کی ہڈی ہے۔ بزرگ تم میری بے عزتی کرنے آئے ہو"
مہاراج کی آنکھیں گھمنڈ اور غصّے سے لال ہو اُٹھیں نہ وہ ہڈی کو باہر پھینک سکتے تھے اور نہ اُس کے برابر سونا مہیّا کر سکتے تھے۔
اس سے بھی بڑی ترازو منگائی گئی۔ مُہروں کی جگہ سونے کی اینٹیں رکھ دی گئیں مگر ننھی سی سفید ہڈی پھر بھی بھاری نکلی۔
ایک پاگل جواری کی طرح مہاراج اس ترازو پر اپنے سونے کا خزانہ لُٹانے لگے۔سب درباری تصویر بنے اس کارروائی کو دیکھ رہے تھے۔ مہاراج کے ماتھے پر پسینے کی بُوندیں نظر آنے لگیں
بوڑھا آہستہ آہستہ مُسکرانے لگا۔ پھر ہاتھ باندھ کر بولا
"مہاراج اُدے گری آپ کی سلطنت بُہت بڑی ہے مگر آپ کی سلطنت کے خزانے تو کیا دُنیا بھر کی سلطنتوں میں بھی اس کے وزن کا سونا نہیں مل سکے گا۔"
مہاراج کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ وہ نظر اُٹھا کر بولے

"کیا کہا بزرگ! دنیا بھر کا سونا اس ہڈی کی برابری نہیں کر سکتا؟"

"ہاں مہاراج! دُنیا کے سات سمندروں کا پانی بھی اگر سونا بن جائے تو اس ہڈی کی پیاس کو نہیں بُجھا سکیگا"

مہاراج چُپ ہو گئے۔ اور ٹکٹکی باندھ کر بوڑھے کے چہرے کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر آہستہ سے بولے۔

"کیا بات ہے بزرگ؟ اس ہڈی میں ایسا کیا بھید ہے؟"

"یہ لالچ کی ہڈی ہے مہاراج! اس کی پیاس ہمیشہ بڑھتی ہے۔ کبھی بُجھتی نہیں۔"

مہاراج حیرت میں آ گئے۔ اُن کے سنجیدہ چہرے پر جوش شکست اور عاجزی کے جذبات نظر آنے لگے۔ اُن کی آنکھیں بوڑھے کے چہرے پر سے ہٹ کر انوکھی ہڈی پر آگئیں۔

"تو کیا بزرگ، دُنیا بھر کی جائداد اس ہڈی سے ہلکی ہی رہے گی؟"

"ہاں مہاراج!" بوڑھے نے کہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔

"یہ ماہی گیر کا چھوٹا سا ملک تو اس کے پلڑے کو چھُو تک نہ سکے گا مہاراج۔"

"تو بزرگ کیا اس ہڈی کی برابری دُنیا کی کوئی بھی چیز نہیں کر سکے گی؟"

بوڑھا مُسکرایا پھر اُس نے آہستہ سے اپنے پاس کھڑے ہوئے ایک فوجی کے ہاتھ میں سے اُس کی کٹار لے لی اور دوسرے ہی لمحے اپنے ہاتھ کو زخمی کر لیا۔

"یہ تم نے کیا کِیا بزرگ ؛ اپنا ہاتھ کاٹ لیا!" مہاراج نے حیران ہو کر پوچھا۔

بوُڑھے نے اپنے زخمی ہاتھ پر سے ٹپکتے ہوئے لہو کی ایک بوُند ترازو میں ڈال دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہڈی کا پلڑا اُونچا اُٹھنے لگا۔ یہاں تک کہ خوُن کی بوُند کا پلڑا بوجھل ہو گیا۔

"مہاراج اُدے گری میرا خون تو بوڑھا ہو چُکا ہے۔ اس میں کوئی دھڑکن نہیں مگر ایک جوان یا بچّے کے خوُن کا تو چھوُ لینا بھی بھاری ہو گا۔"

مہاراج بے قرار ہو اُٹھے اور چُپ چاپ خیمے میں سے باہر نکل کر جھیل کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ تیروُں کی بوچھاڑ اب بھی اُسی جوش سے ہو رہی تھی اور جھیل کا پانی اب بھی لال ہو رہا تھا۔ جھیل کے سامنے کھڑے مہاراج بہُت دیر تک کبھی ہڈی کو دیکھتے کبھی خون سے لال جھیل کے پانی کو دیکھتے......

کہتے ہیں دوسرے دن صبح جب نقارہ بجنے کا وقت

ہوا تو ماہی گیروں نے دیکھا کہ ہمارا راجہ اُدے گیری کی
فوجیں واپس جا رہی ہیں۔ اور جنگلوں سے بھاگے ہوئے
جانور اور پرندے پھر سے آہستہ آہستہ اپنے غاروں
اور گھونسلوں کی طرف واپس آ رہے ہیں۔

کرم چکر

بہت پرانی بات ہے۔ ایک دفعہ لکشمی اور
بحث چھڑ گئی۔ لکشمی بولی "میرے آشیرباد کے
کرموں کی کیا ہستی ہے؟" لیکن سرسوتی اپنی

اڑی ہوئی تھی کہ ہر ایک کو پچھلے کرموں کا پھل بھوگنا پڑتا ہے۔ دونوں میں بحث چھڑ گئی اور آخر لکشمی نے کہا:۔"ہم دونوں چل کر لکشمی کے مندر میں مورتی کے پیچھے چھپ جائیں وہاں جو کوئی بھی دولت کی خواہش لے کر سب سے پہلے آئے گا۔ اُسے میں اپنی خوشی کے مطابق دولت دوں گی پھر دیکھوں گی کہ کرم کس طرح اُسے سکھی ہونے سے روکیں گے" سرسوتی نے کہا "ٹھیک ہے اور آپ کو ایک نہیں تین موقعے ملیں گے۔"

دونوں مندر میں جا کر لکشمی کی مورتی کے پیچھے چھپ گئیں

مندر کے پاس ہی امبر نام کا ایک گاؤں تھا۔ اس میں بلرام نامی ایک لکڑہارا نہایت غریبی میں اپنے دن کاٹ رہا تھا۔ اس کی بیوی کا نام سنیتی تھا۔ اُس کے ایک بیٹا اور ایک بیٹی بھی تھی۔ وہ ہر روز لکڑی کاٹتا یا پڑوسیوں کا کام کر کے اپنا پیٹ پالتا۔ لیکن تین دن سے لگاتار بارش ہو رہی تھی جس کے سبب وہ گھر سے کام کرنے کو نہ جا سکا۔ اِدھر گھر میں اناج کا ایک دانہ بھی نہ تھا۔ بچے بھوک سے پریشان تھے اور ماں باپ مجبور تھے دن نکلتے ہی بارش رُکی اور سنیتی نے کہہ سُن کر بلرام کو کام کی تلاش میں بھیجا۔ بلرام نے جنگل میں لکڑی کاٹی اور پھول جمع

گئے۔ پھر کچھ پھول لے کر وہ لکشمی کے مندر کی جانب
چلا۔ بلرام نہایت خوش نصیب تھا۔ کیونکہ وہی شخص تھا
جو اس مندر میں سب سے پہلے پہنچا تھا جس میں دونوں
دیویاں چھپی بیٹھی تھیں۔ بلرام نے مورتی کی پوجا کی پھول
چڑھائے اور ہاتھ جوڑ کر دولت کے لئے پرارتھنا کرنے
لگا۔ دیوی لکشمی نے مناسب موقعہ دیکھ کر مہروں کی بارش
کر دی۔ بلرام آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا کہ یہ
حقیقت ہے یا خواب؟ بہت دیر میں اُسے یقین ہوا کہ
دیوی لکشمی واقعی اس پر خوش ہو گئی ہیں۔

مندر کے کونے میں مٹی کی ایک ہنڈیا رکھی تھی سب
مُہریں اُس میں بھر کر خوشی سے اُچھلتا ہوا وہ اپنے گھر
پہنچا۔ باہر سے اُس نے اپنی بیوی کو پکارنا شروع کیا
اور کہا کہ دیکھو سینتی میں کیا لایا ہوں مگر وہ اپنی کسی
پڑوسن سے آٹا اُدھار مانگنے گئی ہوئی تھی۔ وہ اُسے ڈھونڈنے
باہر چل دیا تھوڑی دیر میں دونوں میاں بیوی واپس
آ گئے۔ بلرام تو خوشی خوشی سب کچھ بتا رہا تھا مگر سینتی
اُس پر یقین نہیں کر رہی تھی۔ گھر میں آکر دونوں نے
دیکھا کہ ہنڈیا بھر اشرفیاں تو کہاں۔ ایک بھی اشرفی نہیں
ہے۔ بلرام کٹے ہوئے درخت کی طرح گر پڑا اور سینتی

اُسے گالیاں سُنانے لگی۔ اب وہ بولتا بھی کیا؟ چُپ پڑا رہا۔ اگلے دن صُبح وہ پھر دیوی کے مندر میں پہنچا۔ لکشمی سوچ رہی تھی کہ بلرام اب امیر ہو گیا ہے۔ اس لئے بُہت سا سامان لا کر پوُجا کرے گا۔ مگر بلرام نے رو رو کر ساری کہانی سنائی۔ اب کی بار دیوی لکشمی نے اپنے گلے کا ہیرے جواہرات کا ہار اُس کے اوپر پھینک دیا وہ نہایت خوش ہو کر وہاں سے چل دیا۔ راستے میں اُسے دھیان آیا کہ کل اُس نے دولت ملنے پر صاف سُتھرے پانی میں نہا کر پوُجا نہیں کی تھی۔ شاید اسی لئے اُس کی کل والی دولت کھو گئی۔

یہ سوچتے ہی وہ تالاب پر جا پہنچا اور ہار کو کرُتے کی جیب میں اچھی طرح باندھ کر کپڑے پانی کے کنارے رکھ دیئے اور نہانے کو گھُس گیا۔ جب وہ سورج کی طرف مُنہ کر کے اُسے پانی دے رہا تھا۔ کپڑوں کی طرف اُس کی پیٹھ تھی ہار ذرا سا جیب میں سے چمک رہا تھا۔ مچھلی اُسے کھانے کی کوئی چیز سمجھ کر نگل گئی ادھر بلرام نہانے سے فارغ ہو کر آیا تو ہار کو غائب دیکھ کر رونے لگا۔ سب جگہ اُس نے ہار ڈھونڈا مگر وہاں ہار کہاں گھر پہنچ کر اُس نے رو رو کر اپنی بیوی کو سب حال

سُنایا۔ مگر اُس نے یقین کرنے کی بجائے اُسے دو چار سُنا دیں۔

اگلے دن بلرام پھر دیوی کے مندر میں دیر سے پہنچا۔ لکشمی سرسوتی سے کہہ رہی تھی۔ "دیکھو آج بلرام نہیں آئیگا اب وہ امیر ہو گیا ہے انسان بہت نا شکرے ہوتے ہیں۔"

لیکن تھوڑی ہی دیر بعد بلرام روتا ہوا آ پہنچا اور آ کر سب حال سُنانے لگا۔ دیوی لکشمی دیوی سرسوتی سے کہنے لگی یہ انسان بہت بے وقوف معلوم ہوتا ہے۔"

سرسوتی بولی "بے وقوف نہیں ہے۔ اس کے بُرے کرموں کا چکّر ابھی ختم نہیں ہوا۔"

لکشمی چڑ کر بولی :۔" پھر وہی کرم چکّر۔ اچھا اب کے میں اِسے ایک چھوٹا سا بہت قیمتی پتھر دوں گی دیکھوں اِسے کون لیتا ہے ایسا کہہ کر اُنھوں نے ایک چھوٹا قیمتی پتھر اُس کے آگے پھینک دیا۔ بلرام نے اُسے فوراً اٹھا لیا۔ اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ اب وہ اُسے مُٹھی میں دبائے گھر کی طرف بھاگا اُسے سینتی کے پاس پہنچنے کی جلدی تھی۔ آدھے راستے آ کر وہ مُٹھی کھول کر دیکھنے لگا۔ کہ کہیں انمول پتھر ہاتھ میں سے غائب تو نہیں ہو گیا۔ لال لال چمکتا

دھرمشیتی نے جب مچھلی کاٹی تو اس کے پیٹ میں سے وہ ہار نکل پڑا۔
[illegible]

ہوا پتھر دیکھ کر ایک چیل اُسے کھانے کی چیز سمجھ
کر۔ ایک ہی جھپٹے میں چھین کر لے گئی۔ اب تو برا ہال
سر پیٹ کر لیا اُس نے گھر جا بیوی کو
کچھ بتایا چُپ جا کر لیٹ گیا۔ اُسے
اس طرح لیٹے ہوئے دیکھ شیتی کا دل بھر آیا۔ اور
اُسے کھوئی ہوئی دولت کے لیے تسلی دینے لگی

اگلے دن وہ مندر نہیں گیا مزدوری کرنے کو چلا گیا کیونکہ شینتی کی ایسی ہی خواہش تھی۔

اُدھر مندر میں دیوی لکشمی کہنے لگی "اب بلرام ضرور لکھ پتی ہو گیا ہو گا۔ بھلا وہ اب یہاں کیوں آئے گا" لیکن سرسوتی بولی :- "نہیں بہن ایسا نہیں ہوا۔ وہ ابھی اُتنا ہی غریب ہے آج شام اُس کے بُرے کرموں کا اثر ختم ہو گا پھر وہ ضرور ہی لکھ پتی بنے گا۔"

اُس شام بلرام کو آٹھ آنے ملے۔ اُس سے وہ آٹا، نمک، تیل اور مچھلی وغیرہ خرید کر گھر آیا۔ اُس کی بیوی اور بچے سب دیکھ کر نہایت خوش ہوئے بیوی نے گھر میں جا کر کھانے کی تیاری شروع کی اور وہ کلہاڑی لے کر لکڑی لانے چلا گیا خوش قسمتی سے وہ اُسی سنیکر کی ٹہنیوں کو کاٹنے لگا جس پر اُس چیل کا گھونسلا تھا۔ اور وہ قیمتی پتھر اُس میں پڑا تھا اُسے دیکھتے ہی وہ خوشی کے مارے لکڑی اور کلہاڑی چھوڑ کر بھاگا گھر کی طرف۔ وہ کہتا جا رہا تھا "شینتی چور مل گیا! چور مل گیا!"

اُدھر شینتی نے جب مچھلی کاٹی تو اُس کے پیٹ میں سے وہ ہار نکل پڑا۔ وہ اُسے دکھانے کو سلے

کر باہر بھاگی۔ وہ بھی کہتی جا رہی تھی "چور مل گیا! چور مل گیا!"

یہ شور سُن کر پڑوس کی کنجڑی بڑھیا گھبرا گئی۔ کیونکہ اُسی نے پہلے دن وہ مُہروں سے بھری ہنڈیا چُرائی تھی وہ سمجھی شاید اُسی کی چوری پکڑی گئی ہے اور اب اُسی کے گھر وہ اُسے پکڑنے آ رہے ہیں۔ وہ چپکے سے اُس ہنڈیا کو اُسی کونے میں رکھ آئی۔ گھر آکر دونوں حیران رہ گئے۔ کیونکہ اُن کی تینوں چیزیں مل چکی تھیں۔ اب وہ لکھ پتی کیا کروڑ پتی بن گئے اور سکھ سے زندگی بسر کرنے لگے۔

بھگوان چندر گپت

ہماچل کی لوک کہانی

پھولوں کی سیج

کسی نگر میں ایک راجہ راج کرتا تھا۔ اُس کی ایک رانی تھی۔ اُس رانی کو کپڑے اور گہنے کا بہت زیادہ شوق تھا۔ اُسے کبھی سونے کا کرن پھول چاہیئے کبھی ہیرے کا ہار تو کبھی موتیوں کی مالا۔ کپڑوں کی تو بات ہی نہ پوچھئے۔ بھاگل پوری ٹسر اور ڈھاکے کی ململ اور رات کو سونے کے لئے پھولوں کی سیج

پھول بھی کھلے ہوئے نہیں۔ بلکہ ادھ کھلی کلیاں جو رات بھر میں آہستہ آہستہ کھلیں۔ ہر روز نوکر ادھ کھلی کلیاں چُن چُن کر لاتے اور باندی سیج لگاتی۔ اسی طرح اتفاق سے ایک دن ادھ کھلی کلیوں کے ساتھ کچھ کلی ہوئی کلیاں بھی سیج پر آ گئیں۔ اب تو رانی کو بہت ہی بے چینی ہوئی۔

رانی کو نیند کہاں؟ کلی کلیاں چبھ رہی تھیں۔ دیپک دیو (دیا) جو اپنی روشنی پھیلا رہے تھے اُن سے نہ رہا گیا۔ وہ بولے:۔ "رانی! اگر تمھیں مکان بناتے وقت راج گیروں کو تسلے ڈھو ڈھو کر گارا اور چُونا دینا پڑے تو کیا ہو؟ کیا تسلوں کا ڈھونا ان کلیوں سے بھی زیادہ بُرا لگے گا؟" رانی نے سوال کا کوئی جواب نہ دیا وہ لاجواب ہو گئی۔ راجہ بھی جاگ رہے تھے۔ انھوں نے ساری سُن لیں۔

راجہ نے رانی سے سوال کیا:۔ "دیپک دیو کے سوال کی آزمائش کر کے دیکھو تا؟ اُن کا حکم نہ ماننا اچھا نہیں" رانی راضی ہو گئی۔ راجہ نے کاٹھ کا ایک کٹھرا بنوایا اُس میں رانی کو بند کروا دیا۔ اور پاس بہنے والی ندی میں بہا دیا۔ وہ کٹھرا بہتے بہتے ایک دوسرے رجواڑے کے کنارے جا لگا۔ وہ راجہ کے بہنوئی کے راج

میں تھا۔ گھاٹ والوں نے کٹہرے کو پکڑ کر کنارے لگایا۔ کھولا
تو اُس میں ایک خوبصورت عورت نکلی۔ رانی کے زیور اور
قیمتی کپڑے پہلے ہی اتار لئے گئے تھے۔ وہ معمولی پھٹے چیتھڑے
پہنے ہوئے تھی مگر خوبصورت تھی۔ راجہ اُسے نہ پہچان سکا
اور نہ رانی نے ہی اپنا صحیح پتہ بتایا۔ کیونکہ دیپک دیو
کی بات کا امتحان بھی تو لینا تھا۔ راجہ کا ایک نیا محل
بن رہا تھا۔ اس لئے راجہ کو مزدوروں کی ضرورت تھی
اس نے پوچھا:- "تم کیا چاہتی ہو؟"

رانی نے اپنی خواہش ظاہر کرتے ہوئے کہا
مکان بنانے میں تسلا ڈھونے کا کام۔"

راجہ نے اُس رانی کو تسلا ڈھونے کے کام پر لگا
دیا۔ رانی دن بھر تسلا ڈھوتی مزدوری کے تھوڑے
پیسوں سے اپنی گزر کرتی۔ دن بھر کی سخت محنت کے بعد
جو روکھا سوکھا کھانا ملتا وہ اُسے بہت ہی میٹھا اور لذیذ
معلوم ہوتا اور رات بھر کھردری چٹائی پر خراٹے لے لے کر
خوب سوتی۔ منہ اندھیرے اُٹھتی اور نہاتے دھوتے سے
فارغ ہو کر دل اُمنگ حوصلے کے اپنے
کام میں لگ جاتی۔

اسی طرح رانی کو کام کرتے کرتے بہت دن گزر گئے۔

ایک دفعہ رانی کا خاوند اپنے بہنوئی کے ہاں کسی کام سے آیا۔ خاص کر دل بہلانے کے خیال سے۔ کیوں کہ بغیر رانی کے راجہ کیا؟ اکیلے راج کاج میں اُس کا جی نہیں لگتا تھا۔ اِس طرح راجہ نے رانی کو وہاں اچانک دیکھ لیا۔ دیکھتے ہی راجہ رانی کو پہچان گئے۔ ہاں محنت مزدوری کرنے سے رانی کچھ سانولی سلونی سی ہو گئی تھی اور کچھ موٹی تازی بھی۔ رانی بھی راجہ کو پہچان گئی۔
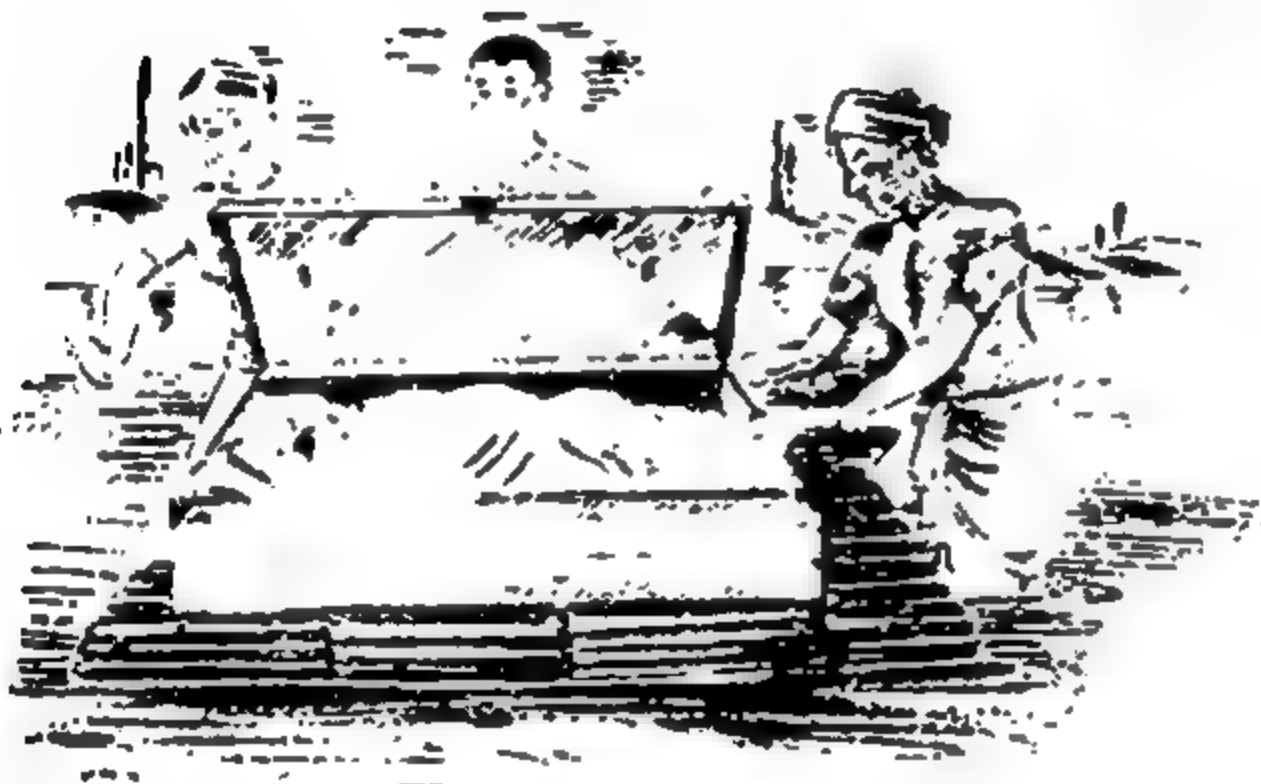
نُعمت والوں نے کُبرت کو پکڑ کر کنارے لگایا۔ کھولا تو اس میں ایک خوبصورت عورت نکلی۔

پھر راجہ نے پوچھ ہی تو لیا۔ "کہو تسلوں کا ڈھونا تمہیں پسند آیا؟"

رانی مُسکراتی ہوئی بولی: "کلیاں چبھتی تھیں مگر تسلے نہیں چبھتے۔"

راجہ کے بہنوئی دونوں کی بات چیت سُن کر حیران

ہوئے۔ اُنھوں نے بھید جاننا چاہا۔ راجہ نے سارا ماجرا کہہ سُنایا۔ بہنوئی راجہ کی بات سُن کر مست ہو گئے۔ اُنھوں نے رانی کو کام سے سُبکدوش کر کے اُس کے آرام سے رہنے اور کھانے پینے کا انتظام کر دیا۔

کچھ دِنوں کے بعد رانی سے راجہ نے پوُچھا:۔ "کہو اب کیا حال ہے؟"

رانی نے کہا:۔ "وہ لُطف کہاں؟ کاہلی اپنی حکومت قایم کرنی چاہتی ہے۔ ڈر لگتا ہے کہ کہیں کلیاں پھر سے چبھنے نہ لگیں۔"

راجہ نے اپنی رائے ظاہر کی "تو ایک کام کرو ہم دونوں مل کر دن بھر مزدوری کیا کریں اور رات کو کلیوں کی سیج پر سوئیں۔"

رانی نے اپنا تجربہ بتا کر کہا۔ "تو پھر کلیوں کی ضرورت ہی رہے گی۔ ویسے ہی گہری نیند آ جایا کرے گی!"

اکھشے چندر شرما

راجستھانی بچوں کی لوک کہانی

ٹمرک ٹوں

بھرپور چوماسے کے دن کھیتوں کی بات نہ پوچھئے! باجرے کی ہری بالیں اُن میں دُودھیا دانے اور اُن پر سنہری کُوں کُوں' جیسے موتیوں پر کسی نے سونے کا پانی چڑھا دیا ہو۔ تربوز کی ہری ہری بیلوں کی نالیں دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ننگ دھڑنگ رہنے والی سنہری ریت نے اپنے جیسے ابھی ابھی ہرے رنگ کا باریک دوپٹہ ڈال لیا ہو

اور بھوریئے کسان کا کھیت تو سب سے بازی لے گیا۔ باجرے کے ایک ایک بوٹے میں دس دس بالیں۔ بھوریا دن بھر ناچتا پھرتا کھیت میں کام کرتا ایک کمیڑی (کبوتر کی طرح کا ایک پرندہ۔ فاختہ) نے بھوریئے کے کھیت کو دیکھا۔ اُس کا دل للچا اٹھا۔ وہ ہر روز سویرے چُگے پانی کے لئے بھوریئے کے کھیت پر پہنچ جاتی پھر پھُر کرتی ہوئی اُڑ کر باجرے پر جا بیٹھتی دانے چُگتی اور

اڑ جاتی - بھوریا پپیا بجا کر چڑیوں کو اڑاتا۔

ایک دن بھورے بیٹے نے کمیڑی سے کہا:۔"تو میرے کھیت میں نہ آیا کر نہیں تو میں تجھے پکڑ لوں گا۔"

کمیڑی نے کہا:۔"کھیت تیرا اکیلے کا نہیں - میری ماں میری دادی، میری پڑ دادی یہیں دانے چگتی تھیں - تو مجھے پکڑے گا؛ میں پھُر پھُر کر اُڑ نے والا پرندہ! میری ماں کہتی تھی آدمی ہیکڑی کا پُتلا ہے آج بات سچ نکلی۔"

بھوریا چُپ رہا - دوسرے دن بھوریا کو شرارت سوجھی کھیجڑی پر ایک پھندا ڈالا - کمیڑی اُڑتی اڑتی کھیجڑی پر بیٹھنے آئی اور اُس کے پاؤں اُلجھ گئے - بھوریا تاک میں بیٹھا تھا - دوڑا دوڑا آیا - بھوریا نے کمیڑی کے پاؤں کو کس کر باندھا اور اُسے اُلٹا لٹکا دیا اور کہنے لگا۔ "او پرندے! اب اڑ۔"

کمیڑی بے چاری چُپ - وہ کچھ نہ بولی وہ جانتی تھی - بھورے بیٹے کا دل پتھر ہے - وہ داد فریاد سے پگھلنے والا نہیں - چونچ کو تھوڑا سا ترچھا کر کے اُس نے صرف بھورے بیٹے کو دیکھا اور بھوریا کہتا گیا "او پرندے اب اڑ کے دکھا۔"

گائیوں کا ایک گوالا کھیت کی مُنڈیر کے پاس سے نکلا

ایک ہاتھ میں لاٹھی اور دوسرے میں الغوزا ۔گایوں کا جھنڈ پاس ہی چر رہا تھا۔ کمیڑی نے روتے روتے کہنا شروع کیا :۔

گائیاں کا گنوالیہ رے ویر ٹمرک ٹوں
بندھی کمیڑی چھڑائی جہارا ویر! ٹمرک ٹوں
ڈونگر لارے بچّے رے ویر! ٹمرک ٹوں
ننھا ننھا بچّہ رے ویر! ٹمرک ٹوں
آندھی سوں اُڑ جاسی رے ویر! ٹمرک ٹوں
میہاں سے گل جاسی رے ویر! ٹمرک ٹوں
لُواں سوں جل جاسی رے ویر! ٹمرک ٹوں
ترے اے گایوں کے گوالے' اے میرے بھائی
بندھی کمیڑی کو چھڑاؤ نا بھائی
میرے بچّے پہاڑی کے پیچھے ہیں۔
وہ آندھی سے اڑ جائیں گے۔
مینہ سے گل جائیں گے۔
لُو سے جل جائیں گے۔

کمیڑی کی آواز میں بے حد دُکھ تھا۔ درد تھا۔ اُس کا دل رو رہا تھا ۔تڑپ رہا تھا۔ گوالا رُکا اُس نے کھیجڑی پر بندھی ہوئی کمیڑی کو دیکھا۔گوالے کی آنکھوں میں

موتی کی طرح بڑے بڑے آنسو بھر آئے وہ بیچارہ کیا کرتا۔ بھوریا سے وہ ڈرتا تھا۔ بھوریا جھگڑالو سوتے ناگ کو کون چھیڑے؟ گوالے نے بھوریئے سے کہا: بھائی بھوریا! میری ایک اچھی دودھ والی گائے لے لو اور اس کمیڑی کو چھوڑ دو۔"

لیکن بھوریئے نے کہا "نہ بھائی نہ!" گوالا بیچارہ چلتا بنا

اتنے میں اونٹوں کا رائکا (اونٹ چرانے والا) اُدھر سے نکلا۔ اُسے مخاطب کر کے کمیڑی نے پھر وہی گیت گایا۔

رائکا نے بھوریئے سے کہا:" بھائی! ایک اچھا سا اونٹ میرے اونٹوں میں سے لے لو اور اس کمیڑی کو چھوڑ دو۔"

بھوریئے نے کہا: بھائی نہ!" رائکا چلتا بنا

اسی طرح بھیڑ اور بکری چرانے والا نکلا۔ مگر بھوریا ٹس سے مس نہ ہوا اتنے میں چوہا بل سے نکلا۔ چوہے نے کمیڑی کو آواز لگاتے ہوئے کہا۔

" کمیڑی بائی نیچے آؤ!

ڈھول میں کمیڑو گیت سناؤ"

مگر کمیڑی نے روتے روتے کہا:۔ چوہے بھیا!

دیکھتے نہیں بھوُریئے نے مجھے باندھ دیا ہے۔ میں تو اب
مر کر ہی نیچے آؤں گی ۔ میں اب کبھی نہیں گا سکوں گی
کبھی نہیں کھیل سکوں گی ۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچّے
پہاڑی کے پیچھے ....."

یہ کہتے کہتے کمیڑی کا گلا بھر آیا۔ چوہا باہر نکل کر
دیکھنے لگا۔ اُس نے مُونچھوں کو ہلاتے ہوئے کہا:" ڈرو
نہیں کمیڑی بہن! بھوُریئے کا پھندا تو کیا ایک بار موت
کے پھندے سے بھی تمھیں چھُڑا سکوں گا۔"

اتنے میں بھوریا آتا ہوا دکھائی دیا۔ چوہے نے
بھوریئے سے کہا:" بھُوریا! او بھُوریا! میرے پاس زمین
میں سونے کا خزانہ ہے۔ تم کمیڑی کو چھوڑ دو تو
میں تمھیں نہال کر دوں گا۔ تمھارا گھر سونے سے بھر
دوں گا۔" بھوریا سونے کا نام سُن کر راضی ہو گیا
کہنے لگا:" چوہے جی راج تم زمین کے راجہ ہو تمھاری
بات نہیں مانوں گا تو کس کی مانوں گا۔" اتنا کہہ کر بھوریئے
نے کمیڑی کی ٹانگیں کھول دیں کمیڑی پھُر پھُر کرتی ہوئی
اڑ گئی

چوہا بِل میں گھستے ہوئے کہنے لگا:" بیچ، آدمی دلچسپ
بھی ہے مُورکھ تُوں!"

سنتری بولا ۔ تمہیں ان باتوں سے کیا لینا ہے ، اپنا کام کرو۔

شو تنیا مہتہ

اتر پردیش کی لوک کہانی

سنگترے کی راجکماری

کسی ملک میں ایک بہت بڑا جنگل تھا ۔ اُس جنگل کے بیچوں بیچ سنگترے کا ایک درخت تھا ۔ اُس درخت کے نیچے ایک سنتری پہرا دیا کرتا تھا ۔ ایک دن دو شکاری راجکمار شکار کھیلتے ہوئے ادھر آ نکلے ۔

سنگترے کے درخت کے نیچے کھڑے ہوئے اُس سنتری کو دیکھ کر اُنھیں بہت اچنبھا ہوا۔ کچھ دیر تو وہ دور سے کھڑے اُس سنتری کی طرف دیکھتے رہے۔ مگر وہ کچھ سمجھ نہ سکے۔ پھر آپس میں کچھ صلاح کر کے آگے بڑھے۔ سنتری کے پاس جا کر اُنھوں نے پوچھا "سنتری جی تم اس سنگترے کے درخت کے نیچے کیوں پہرا دے رہے ہو؟"

سنتری یہ سُن کر ہنس پڑا۔ اور پھر کچھ دیر بعد بولا "بھائی تمھیں اِن باتوں سے کیا مطلب؟ اپنا کام کرو۔"

یہ سُن کر شکاری اور بھی حیران ہوئے اور سوچنے لگے کہ ایسی کیا بات ہے۔ جو سنتری بتانا نہیں چاہتا اُنھوں نے پھر ضد کرتے ہوئے پوچھا:۔ سنتری جی ہم تمھارے اس جگہ پہرا دینے کا سبب جانے بغیر یہاں سے نہیں جائیں گے۔"

سنتری بولا۔" سبب بتانے میں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ مگر ہاں تمھیں جان کر سوائے دُکھ کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اس لئے میں بتانا نہیں چاہتا۔"

بڑا راجکمار بولا:۔"ہم کسی طرح کے دُکھ یا مصیبت سے نہیں گھبراتے۔ ہم ہر طرح کی مصیبت کا مقابلہ

کرنے اور دُکھ جھیلنے کو تیار ہیں۔"

چھوٹا راجکمار اپنے بڑے بھائی سے بولا۔" بھیّا چلو گھر چلیں نہ جانے کیا مصیبت آجائے۔ یہاں جنگل میں تو کوئی مددگار بھی نہیں ملے گا۔"

بڑا بھائی:۔" ڈرنے کی کیا بات ہے۔ ہم تو راجپوت ہیں۔ اگر تمھیں ڈر لگتا ہے تو تم خوشی سے گھر چلے جاؤ میں تو ساری بات کا پتہ لگا کر ہی چین لوں گا۔"

چھوٹے بھائی نے کہا۔ نا بھیّ میں تمھیں یہاں اکیلا چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ اکیلا میں پتاجی کو کیا منہ دکھاؤں گا جیسا تم کہو ویسا ہی میں کروں گا۔"

سنتری بولا:۔" تو تم لوگ نہیں مانو گے سبب جانے بغیر۔ اچھا تو جیسی بھگوان کی مرضی۔ و بیٹھ جاؤ اس پتھر پر اور دھیان سے سُنو۔" اتنا کہہ کر وہ سنتری بھی وہیں ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور کچھ دیر سوچ کر سر کھجلاتے ہوئے اُس نے کہنا شروع کیا۔

اس سنگترے کے درخت کا تنا کھوکھلا ہے۔ اس میں اُتر کر اندر بہت خوبصورت ہیرے جواہرات سے چمکتا ہوا ایک محل ملے گا۔ جس میں ایک راجکماری رہتی ہے۔ اُس راجکماری کے برابر خوبصورت عورت اس

دُنیا میں کوئی نہیں ہے۔ وہ راجکماری مہینے میں ایک بار اپنی سہیلیوں کے ساتھ جنگل میں سیر کرنے نکلتی ہے۔ پورنماشی کی آدھی رات یہاں جنگل میں منگل ہو جاتا ہے۔ بس صبح ہونے سے پہلے ہی راجکماری اور اُس کا گروہ واپس اپنے محل میں چلا جاتا ہے۔ میں یہاں اُسی راجکماری کے محل کی رکھوالی کرتا ہوں۔ اس کے محل کے چاروں طرف بھی پہرے دار ہیں۔ یہاں بے شمار راجکمار آچکے ہیں۔ اور راجکماری سے بیاہ کرنے کی خواہش دل میں لئے ہوئے موت کے مُنہ میں چلے گئے ہیں۔ اُن کی حالت دیکھ کر مجھے بہت ترس آتا تھا۔ مگر وہ بھی تمہاری طرح ضدی تھے۔ میرے لاکھ منع کرنے پر بھی وہ نہیں مانے۔"

بڑا شکاری بولا "بھائی سنتری میں بھی اس راجکماری کو ضرور دیکھنا چاہتا ہوں بھلا ایسی بھی کیا بات ہے جو اتنے لوگ اس کے پیچھے اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔"

سنتری نے بہت سمجھایا بجھایا مگر جب وہ نہیں مانے تو اُس نے کہا۔ "اچھا پورنماشی کی رات کو یہاں آکر کسی جھاڑی میں چھپ کر بیٹھ جانا۔ جب آدھی رات

کو راجکماری اور اُس کی سہیلیاں باہر نکلیں تو اُنہیں دیکھ لینا۔ لیکن یاد رکھنا کہ بالکل چُپ چاپ بیٹھنا ہوگا ذرا بھی آواز آنے پر خیر نہ ہوگی"۔ سنتری کی بات سُن کر دونوں شکاری راجکمار نہایت خوش ہوئے پُورنماشی کی رات کو پھر وہاں آنے کی ٹھان لی اور اپنے گھر چلے گئے۔

جوں توں کر کے پورنماشی کا انتظار کیا اور وقت آنے پر اپنے باپ کی اجازت لے کر دونوں راجکمار شکار کو چل دیئے۔ جنگل میں پہنچ کر انھوں نے دن بھر آرام کیا۔ اور رات ہو نے پر وہ سنگترے کے درخت کے نزدیک ایک جھاڑی میں جا چھپے۔ آدھی رات ہو نے پر تنے کے اندر روشنی دکھائی دی۔ پھر ایک نہایت خوبصورت لڑکی آہستہ سے باہر نکلی چاروں طرف دیکھ کر واپس درخت میں گھُس گئی۔ پانچ دس منٹ کے بعد دس لڑکیاں باہر نکلیں۔ سب کی سب خوبصورت تھیں۔ پھر راجکماری آہستہ آہستہ باہر آئی۔ اُس کے باہر آتے ہی چاند نے بھی اپنا چہرہ ایک بادل کی ٹکڑی میں چھپا لیا راجکماری کی خوبصورتی دیکھ کر دونوں راجکمار ہوش کھو بیٹھے۔ اُنھیں ایسا محسوس ہوا کہ وہ ایک عجیب خواب

دیکھ رہے ہیں۔

راجکماری اور اس کی سہیلیاں بہت دیر تک وہاں گاتی بجاتی، ناچتی اور آنکھ مچولی کھیلتی رہیں پھر اِدھر اُدھر سیر کر کے صبح ہونے سے پہلے واپس اپنے محل میں چلی گئیں بڑے راجکمار نے اُن کا پیچھا کرنا چاہا۔ مگر چھوٹے راجکمار نے کسی طرح اُسے روک لیا۔ صبح سنتری کو دیکھتے ہی بڑے راجکمار نے راجکماری کے محل میں جانے کی خواہش ظاہر کی مگر سنتری نے سر ہلا دیا اور کہا۔

"وہاں پہنچنا ناممکن ہے۔ راجکماری پر کسی نے جادو کر رکھا ہے اس لئے اُس کے پاس کوئی نہیں جا سکتا۔ ہاں ایک طریقہ ہے۔ جو کوئی سنگترے کے درخت پر سے دو پھول لا سکے گا وہی شخص راجکماری کے محل میں جا سکے گا۔ لیکن سنگترے کے درخت کو چھونا منع ہے اور زمین پر پڑے ہوئے پھول اُٹھانے سے بھی کام نہیں چلے گا۔ درخت پر لگے پھول ہاتھ سے توڑنا بھی منع ہے۔ اب سوچ لو اگلے مہینے اس درخت پر پھول آئیں گے۔

اگلے مہینے دونوں راجکمار شکار کا بہانہ بنا کر پھر اُسی جنگل میں پہنچے۔ وہ بہت کشمکش میں تھے کہ ہاتھ لگائے

[illegible] میں چھپا لیا۔

بغیر سنگترے کے درخت سے پھول کس طرح توڑے جائیں
تین دن وہ کوشش کرتے رہے مگر پھول ہاتھ نہ لگے۔ رات
کو تھک کر اُسی درخت کے نیچے سو جاتے بے چارے۔
چوتھے دن بہت زور سے ہوا چلنے لگی اور درخت پر
سے پھول زمین پر گرنے لگے۔ یہ دیکھ کر بڑا راجکمار
اٹھا اور اُس نے دو پھول زمین پر گرنے سے پہلے ہی
پکڑ لیے۔ ایک پھول چھوٹے راجکمار کے ہاتھ بھی لگ

گیا - سنتری نے بہت عزت اور محبت سے انھیں نیچے محل میں پہنچا دیا - وہاں دھوم دھام سے بڑے راجکمار کا بیاہ سنگترے کی راجکماری کے ساتھ ہو گیا اور چھوٹے راجکمار کا راج کماری کی سب سے پیاری سہیلی کے ساتھ - دونوں راجکمار اپنی اپنی دلہن کو ساتھ لے کر اپنے باپ کو پرنام کرنے پہنچے - اور ان کا آشیر واد لیا - ساری راجدھانی میں بہت خوشی منائی گئی - بڑا راجکمار تو باپ کے ساتھ راج کاج سنبھالنے لگا اور چھوٹا راجکمار سنگترے کے محل میں رہنے لگا -
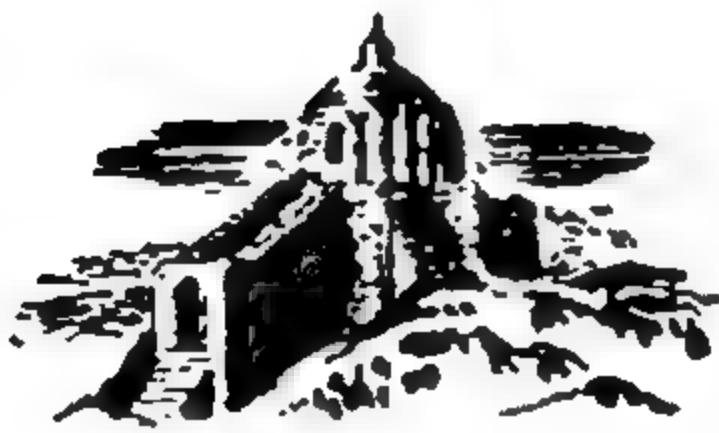
لڑکے نے فوراً کچھ ناشپاتیاں توڑیں اور کہا ـــــ "تم
بڑے بھائی کی سب ناشپاتیاں لے لو، یہ میں تھیلا اس سے
زیادہ نہیں دے سکتا کیونکہ باقی ناشپاتیاں بیچ دی ہیں۔"

مَنمتھ ناتھ

ترائی کی لوک کہانی

تین بھائی

کسی گاؤں میں تین بھائی رہتے تھے۔ وہ اتنے غریب تھے کہ اُن کے پاس اپنا کہنے کے لئے سوائے ناشپاتی کے ایک درخت کے اور کچھ نہ تھا۔ وہ جس چھوٹی سی جھونپڑی میں رہتے تھے۔ اُسی کے پاس وہ ناشپاتی کا درخت کھڑا تھا۔ اُنھیں اُس ناشپاتی کے درخت سے محبت تھی۔ جب

ناشپاتیاں پکنے لگتیں تو وہ اُس درخت پر باری باری سے پہرہ دیتے تھے۔ ایک نہ ایک بھائی ہر وقت ناشپاتی کے درخت کے پاس ڈٹا رہتا تھا۔ جس وقت ایک بھائی پہرے پر ہوتا تھا اُس وقت باقی دو بھائی کھیتوں میں کام کرنے جاتے تھے۔ مگر زیادہ سے زیادہ کام کرنے پر بھی وہ کسی طرح اپنا پیٹ نہ پال سکتے تھے۔ یہاں تک کہ پہننے کے لئے ڈھنگ کے کپڑے نہیں ملتے تھے۔ ایک دن ایک رحم دل پری اُس رستے سے نکلی۔ اُس نے دیکھا کہ یہ تینوں لڑکے کتنے اچھے ہیں۔ پھر بھی ان کے پاس کھانے کے لئے کوئی اچھی چیز نہیں ہے۔ یہ بہت غریب ہیں۔ اس پر پری کے دل میں رحم آگیا اور وہ سوچنے لگی کہ کسی طرح ان لڑکوں کی مدد کرنی چاہیئے۔

بہت سوچنے پر ایک تجویز اُس کے دماغ میں آئی وہ بھیس بدل کر ایک بھکارن بن گئی اور لنگڑاتی ہوئی ناشپاتی کے درخت کے پاس پہنچی۔ جب وہ وہاں پہنچی تو اُس وقت سب سے بڑا بھائی درخت پر پہرا دے رہا تھا۔

بھکارن نے کہا:۔ "مجھے کچھ ناشپاتیاں مل جائیں"۔

لڑکے نے فوراً ناشپاتیاں توڑیں اور کہا: "تم میرے حصّے کی سب ناشپاتیاں لے لو۔ میں تمھیں اس سے زیادہ

نہیں دے سکتا۔ کیونکہ باقی ناشپاتیاں میرے بھائیوں کی ہیں۔"

بوڑھی بھکارن نے ناشپاتیاں لے لیں اور بڑے بھائی کو آشیرباد دے کر وہاں سے چلی گئی۔

اگلے دن منجھلا بھائی درخت کے پہرے پر تھا۔ رحمدل پری بھکارن کی شکل میں پھر آئی اور اُس نے اُسی طرح سے کچھ ناشپاتیاں مانگیں۔ منجھلے بھائی نے اپنے حصّے کی سب ناشپاتیاں اُس بڑھیا کو دے دیں وہ تو اور بھی دینے کے لئے تیار تھا مگر چھوٹے بھائی کے حصّے کو وہ ہاتھ لگانا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ اُس سے اگلے دن تیسرے بھائی کے پہرے کی باری آئی۔ رحم دل پری اُسی طرح بھکارن کے بھیس میں آئی اور اُس نے چھوٹے بھائی سے ناشپاتیاں مانگیں چھوٹے بھائی نے باقی سب ناشپاتیاں دے دیں۔ اس طرح درخت پر ایک بھی ناشپاتی باقی نہ رہی۔

اگلے دن صبح تینوں لڑکے کھیت پر جانے کی تیاری میں مصروف تھے کہ اتنے میں وہ رحم دل پری اپنی اصلی شکل میں اُن کے جنگلے پر اُڑ کر بیٹھ گئی اور بولی: "لڑکو! میں نے تم میں سے ہر ایک کی آزمائش کی اور میں نے

یہ دیکھا کہ جہاں تک رحم دل ہونے کی بات ہے۔ تمُ میں سے کوئی کسی سے کم نہیں۔ میں تم لوگوں سے خوش ہوں۔ اب تمُ لوگ میرے ساتھ آؤ اور میں تمھیں یہ بتاؤں گی کہ کس طرح تمُ اچھا کھانا اور اچھے کپڑے پا سکتے ہو؟"

تینوں بھائی اُس کے پیچھے ہو لیے۔ رحم دل پری اُنھیں ایک جنگل میں لے گئی۔ اُس جنگل میں درخت اتنے گھنے تھے کہ سورج کی کرنیں بھی کبھی زمین پر نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ پری اُنھیں کبھی پہاڑ پر چڑھاتی تو کبھی گھاٹیوں میں سے لے جاتی۔ آخر کار وہ ایک بہُت بڑی ندی کے پاس پہنچ گئی جو پہاڑ سے اچھلتی کودتی ہوئی میدانوں کی طرف جا رہی تھی۔

جب سب لوگ یہاں آ گئے تو پری کھڑی ہو گئی اور اُس نے کچھُ کہنا شروع کیا۔ مگر ندی کی دھار سے اتنا شور ہو رہا تھا کہ اُس کی ایک بھی بات کسی کو سنائی نہ دی۔ اور اُس نے ہر ایک پاس جا کر اُس کے کان میں اپنی بات کہی۔ اس نے بڑے لڑکے سے کہا۔ یہاں میں تمھیں جو تمُ مانگو گے وہ دوں گی۔ اس لیے کچھُ مانگ لو۔"

بڑا بھائی اُس وقت پیاس کے مارے پریشان ہو رہا تھا۔ اُس نے بغیر کچھ سوچے سمجھے کہہ دیا:۔ "میں یہ چاہتا ہُوں کہ یہ پوری ندی شربت بن جائے اور یہ میری ہو"
پری نے اپنی جادُو کی لکڑی گھمائی اور وہ پہاڑی ندی وسیع جھاگ دار سفید پانی سے بدل کر لال شربت کی شکل میں آگئی۔ جب ایسا ہو گیا تو پری نے کہا:۔ "تم نے جو مانگا وہ پُورا ہو گیا۔ اب اتنی بات یاد رکھنا کہ تم اس کا اچھا استعمال کرنا۔"
بڑا بھائی وہیں رہ گیا۔ پری دونوں چھوٹے بھائیوں کو ایک ہرے بھرے کھیت کے سامنے لے گئی۔ اُس کھیت کے پاس ایک گھاس کا میدان تھا اور اُس میں سینکڑوں فاختایئں تھیں۔ یہ فاختایئں بیج اور کیڑے ڈھونڈنے میں مصروف تھیں۔ رحم دل پری نے منجھلے بھائی سے کہا:۔ "اب تم کوئی چیز مانگ لو۔ مگر سوچ سمجھ کر مانگنا!"
"منجھلے بھائی نے تھوڑی دیر تک سوچ کر کہا:۔" میں یہ چاہتا ہوں کہ میں ایک اچھا کسان بن جاؤں۔ اِس لئے آپ ان فاختاؤں کو بھیڑیں بنا دیں اور میں اُن کا مالک ہو جاؤں۔"
رحم دل پری نے جادُو کی لکڑی گھمائی اور یکایک

یہ نظر آیا۔ کہ وہاں فاختاؤں کی بجائے بھیڑیں چر رہی ہیں۔ پری بولی :۔ "وہ دیکھو وہ سامنے والا کھیت تمھارا ہے۔ یہ بھیڑیں بھی تمھاری ہیں۔ اگر تم چاہو تو ایک اچھے کسان بن سکتے ہو اور تمھیں کسی بات کی کمی نہیں رہے گی۔ اپنا مستقبل بنانا یا بگاڑنا تمھارے ہی ہاتھ ہے۔"

اس کے بعد پری سب سے چھوٹے بھائی کو لے کر پہاڑوں کی طرف چلی۔ جب وہ ایک پہاڑ کے نیچے پہنچ گئی تو اُس نے چھوٹے بھائی سے پوچھا :۔ "تمھارے دل میں کیا خواہش ہے؟ جو چیز چاہو مانگ لو۔"

چھوٹے بھائی نے فوراً جواب نہیں دیا وہ بہت دیر تک سوچتا رہا۔ پھر آخر بولا:۔ "میں ایک خوبصورت سی سگھڑ راجکماری چاہتا ہوں جس سے میں شادی کر سکوں۔"

اس پر وہ پری مسکرائی اور بولی :۔ "تم جو مانگ رہے ہو وہ بہت مشکل ہے پھر بھی میرے ساتھ آؤ۔ دیکھوں کیا کیا جا سکتا ہے۔"

بہت دنوں تک پری اُس لڑکے کو اپنے ساتھ لے کر پھرتی رہی۔ کئی دن یونہیں گذر گئے۔ آخر وہ ایک شہر میں آئے۔ جہاں ایک بڑا راجہ رہتا تھا۔ پری سیدھی ہی راجہ کے محل میں گئی۔ اور بولی :۔ "کیا میں راجکماری سے

مل سکتی ہوں ۔ میں نے سُنا ہے ۔ کہ راجکماری بُہت اچھی
اور خوبصورت ہے ۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ وہ ہے کیسی ؟"
پری کو اجازت مل گئی مگر چھوٹا بھائی دل ہی دل میں

اس نے بغیر کچھ سوچے کہہ دیا: "میں یہ چاہتا ہوں
کہ یہ پری شہزادی سی ہو جائے اور یہ میری ہو"

گھبرا رہا تھا کہ میں ایک بُہت ہی معمولی آدمی ہوں ۔ بھلا
میری شادی ایک راجکماری سے کیوں کر ہو سکتی ہے ۔ پری
نے یہ بھانپ لیا کہ وہ لڑکا کیا سوچ رہا ہے وہ اُس

کی ڈھارس بندھاتی رہی۔ اتنے میں وہ راج محل کے بڑے دالان کے اندر آ گئے۔

جب وہ وہاں پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ اُن سے پہلے بہت سے دوسرے لوگ راجکماری سے شادی کرنے کے اُمیدوار بیٹھے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان میں سے دو تو خاص اُمیدوار ہیں۔ سامنے ہی وہ تمام تحفے اور سوغاتیں رکھی ہوئی تھیں۔ جو دونوں راجکماری کے لیے لے کر آئے تھے۔ پری نے اُن چیزوں کے پاس ہی بیروں کی ٹوکری رکھ دی جسے وہ رستے میں چُن کر لائے تھے۔

چھوٹے بھائی نے پری کو جب ایسا کرتے ہوئے دیکھا تو اُسے بہت شرم آئی اور اُس نے ایسا کرنے سے روکنا چاہا۔ اُس نے دل میں یہ سوچا کہ یہ لوگ تو ہیرے سونا چاندی اور خدا جانے کیا کیا لائے ہیں۔ ان کے پاس بیروں کی یہ ٹوکری ہو گی۔ اُس سے کام تو کچھ بنے گا نہیں صرف ہنسی ہی ہو گی۔ مگر اس بات پر پری مسکراتی رہی اور منع کرنے پر بھی اُس نے بیروں کی ٹوکری وہیں رہنے دی۔

اس کے بعد دالان کے لوگوں میں کچھ چہل پہل سی نظر آئی۔ سب کے سب کھڑے ہو گئے۔ کیونکہ راجہ اس وقت راجکماری کے ساتھ اُس دالان میں داخل ہو رہے تھے۔ اُن

کے لئے ایک کنارے پر ایک تخت رکھا ہوا تھا۔ وہ اُسی پر جا کر بیٹھ گئے۔ تو تینوں اُمیدوار سر نیچا کر کے کھڑے ہو گئے راجکماری نے جلد ہی اس بات کو تاڑ لیا کہ اگرچہ چھوٹا بھائی پھٹے کپڑوں میں تھا۔ پھر بھی وہ دیکھنے میں دوسرے اُمیدواروں سے زیادہ خوبصورت نظر آتا تھا۔ اور وہ مزاج کا بھی اچھا معلوم ہوتا تھا۔ دو اُمیدواروں میں سے ایک ادھیڑ اور موٹا تھا۔ اور دوسرا لمبا اور دُبلا تھا۔ راجکماری کو وہ دونوں پسند نہیں آئے۔ اُس نے اپنے باپ سے کہا کہ وہ اُس پھٹے کپڑوں والے نوجوان سے شادی کرنا پسند کرے گی مگر راجہ کی یہ خواہش تھی کہ راجکماری باقی اُمیدواروں میں سے کسی سے شادی کرے کیونکہ وہ بہت امیر تھے۔ مگر راجہ کو ساتھ ہی ساتھ اپنی لڑکی کا بہت خیال تھا۔ اس لئے وہ اُسے دُکھی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ راجہ نے سوچا بھلا یہ کس طرح پتہ لگے کہ ان میں سے کون سب سے اچھا ہے۔

جب پری نے یہ دیکھا کہ راجہ ادھیڑ بن میں پڑا ہوا ہے۔ تو وہ آگے بڑھی اور بولی :۔ "مہاراج! آپ اس طرح یہ معاملہ طے کریں کہ ان تینوں کو انگور کی تین نئی بیلیں اپنے محل میں لگانے کو دیں۔ جس کی بیل میں تین دن کے اندر ہی پھل آ جائے اُسی سے اپنی لڑکی کی شادی کریں۔"

راجہ نے دل ہی دل میں سوچا کہ یہ طریقہ اچھا رہے گا۔ کیونکہ نہ تو تین دن میں کسی بیل میں انگور لگے گا۔ اور نہ ہی ان میں سے کسی کے ساتھ میری بیٹی کی شادی ہوگی۔ اس لئے راجہ نے فوراً حکم دے دیا۔ انگور کی تین نئی بیلیں لاکر حاضر کی گیئں۔ اُن بیلوں پر اُمیدواروں کے نام لکھ دیئے گئے۔ اور اُنھیں راج محل کے باغ میں لگا دیا گیا۔

راجکماری ہر گھنٹے دیکھتی رہی کہ کسی بیل میں پھل آتا ہے کہ نہیں۔ مگر کسی میں بھی پھل آتا ہوا دِکھائی نہ دیا۔ جب دو دن ہو گئے تو راجکماری بہت مایوس ہوئی۔ اور وہ سمجھ گئی کہ ان میں سے کسی میں بھی پھل نہیں آئے گا۔ وہ دل ہی دل میں دُعا مانگ رہی تھی۔ کہ اُس غریب نوجوان کے نام سے جو بیل لگائی گئی تھی۔ اُس میں پھل لگے۔ اور اِس طرح اِس کی اُس کے ساتھ شادی ہو جائے۔

تیسرے دن راجکماری مایوس ہونے پر بھی انگور کی بیل کو دیکھنے کے لئے گئی۔ رستے میں وہی غریب نوجوان ملا۔ اس پر راجکماری نے یہ سمجھا کہ اتنے بڑے راج محل میں شاید یہ رستہ بھول گیا ہے۔ مگر غریب نوجوان بھی انگور کی بیل دیکھنے ہی جا رہا تھا۔ جب دونوں ساتھ ہی ساتھ بیلوں کے پاس پہنچے تو اُنھوں نے دیکھا کہ ایک بیل میں،

بہت سے خوبصورت انگور لگے ہیں۔ جب راجکماری نے یہ دیکھا کہ یہ وہی بیل ہے جس پر اُس نوجوان کا نام لکھا ہے۔ تو اتنی خوش ہوئی کہ تالیاں بجانے لگی نوجوان بھی خوشی سے اُچھل پڑا دونوں مل کر راجہ کے پاس پہنچے۔ راجہ اس بات پر بہت خوش نہیں ہوا۔ کیونکہ راجہ کا یہ کہنا تھا۔ کہ اتنے غریب نوجوان کے ساتھ راجکماری کا بیاہ ہو نہیں سکتا۔ مگر وعدہ تو کیا جاچکا تھا پھر جانے کا کوئی رستہ نہیں تھا۔ شادی ہو گئی اور اُس کے بعد وہ نوجوان اپنی دُلہن کو جنگل کے اندر ایک چھوٹے سے مکان میں لے گیا یہ مکان اُسے پری کی طرف سے ملا تھا۔ اسی چھوٹے سے مکان میں وہ لوگ خوشی کے ساتھ رہنے لگے

ایک سال کے بعد پری یہ دیکھنے کے لئے نکل کر تینوں بھائی کس طرح زندگی بسر کر رہے ہیں۔ پہلے وہ بڑے بھائی کے پاس گئی۔ وہاں اُس نے بھکارن کی شکل اختیار کر کے اُس سے ایک پیالہ شربت مانگا۔ جن دنوں وہ غریب تھا۔ اُن دنوں اُس نے بھکارن کو اپنا سب کچھ دے دیا تھا۔ مگر اب جب کہ اُس کے پاس دولت ہی دولت تھی ایک پیالہ شربت بھی نہیں دیا۔ وہ بولا:۔ "اسی طرح میں ہر ایک کو شربت دیا کروں تو بس کام ہو چکا۔ پھر

تو میں اسی کام کا رہ جاؤں گا۔" پری چلی گئی اور اُس کے پیٹھ پھیرتے ہی وہ ندی، شربت کی ندی سے بدل کر پھر سے پانی کی ندی بن گئی۔ بڑے بھائی نے دیکھا کہ اُس پر کیا آفت آئی ہے۔ وہ پری کی خوشامد کرنے لگا۔ مگر پری نے سر ہلاتے ہوئے کہا: "جو جس چیز کے قابل نہیں ہے اُسے وہ چیز نہیں ملنی چاہئے۔"

اب پری منجھلے بھائی کے پاس پہنچی۔ وہاں اُس نے کھانا مانگا۔ اس پر منجھلا بھائی بولا: "میں کبھی مُفت میں کچھ نہیں دیتا۔ میری سمجھ میں ایسی بخشش کا مطلب یہ ہے کہ سُست لوگوں کا حوصلہ بڑھایا جائے۔"

اُس کا ایسا کہنا تھا کہ وہ ساری کھیتی اور بھیڑیں وہاں سے غائب ہو گئیں۔ سامنے ایک اُجڑا ہُوا میدان دکھائی دیا جس میں ناشپاتیاں اُگ رہی تھیں۔ اب پری بولی: "جا کر اُس ناشپاتی کے درخت کے نیچے بیٹھو۔ اور وہاں بیٹھ کر اپنی غلطی پر غور کرو۔ یاد رکھو کہ بھگوان نے اگر تمھیں کسی قابل بنایا ہے تو دوسروں کی مدد کرنے سے پیچھے نہ ہٹو۔"

اب پری تیسرے بھائی کے ہاں پہنچی۔ اُس وقت چھوٹا بھائی اپنی دُلھن کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا۔ بھکارن کو سامنے

دیکھتے ہی اُسے پچھلے دن یاد آ گئے۔ اور بغیر بھکارن کے کچھ کہے وہ بولا:۔ "آؤ اندر آؤ اور ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ"

لیکن پری نے جو نظر دوڑائی۔ تو دیکھا کہ وہاں روٹیاں ختم ہو چکی تھیں۔ مگر راجکماری بولی:۔ "میں ابھی اور روٹی پکا کر لاتی ہوں۔ آپ اتنی دیر بیٹھ کر سستا ئیں۔ جو کچھ روکھا سوکھا گھر میں ہے جلد ہی تیار کر کے لاتی ہوں"

راجکماری روٹی بنانے میں لگ گئی۔ اور تھوڑی دیر میں روٹیاں تیار ہو گئیں۔ پری کو پیٹ بھر کھانا کھلایا گیا اس کے بعد جب وہ جانے لگی تو راجکماری نے بہت محبت سے کہا:۔ "ماں جی آج رات آپ اس جگہ ٹھہر جائیں" اس پر پری نے اپنی جادو کی لکڑی گھمائی۔ اور چاروں طرف بہت زور شور سے گرج سُنائی دینے لگی۔ ڈر کر چھوٹے بھائی اور راجکماری نے آنکھیں بند کر لیں اور وہ زمین پر لیٹ گئے۔ جب شور بند ہوا اور اُنھوں نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ وہ چھوٹا سا مکان اُڑ گیا ہے اور اُس کی جگہ ایک بڑا بھاری راج محل کھڑا ہے۔ یہ اتنا بڑا تھا کہ راجکماری کے باپ کے پاس بھی اتنا بڑا راج محل نہیں تھا۔ اب وہ اُسی میں سُکھ چین سے رہنے لگے۔ اور برسوں تک لوگوں کے ساتھ بھلائی کرتے رہے۔

اس کی بیوی نے صندوق کا ڈھکنا کھولا اور وہ کپڑے نکال کر اسے دکھائے مگر منہ سے کچھ نہ بولی

نندلال چتا

ایک کشمیری لوک کہانی

لوہار کی لڑکی

سری نگر میں ایک دولت مند سوداگر رہتا تھا۔ اُس کے پاس ہر طرح کے سکھ کے سامان تھے۔ لیکن اُسے ایک بات کا بہت دُکھ تھا۔ اُس کا ایک ہی بیٹا تھا اور وہ بھی بالکل بے سمجھ۔ سوداگر یہ سوچ سوچ کر کہ اُس کا نالائق بیٹا اُس کی کمائی ہوئی دولت کو برباد کرے گا نہایت دُکھی رہتا

تھا ۔ لیکن سوداگر کی بیوی کچھ اور ہی سوچتی تھی ۔ اُس کا خیال تھا کہ اس کا نالائق بیٹا لائق بیوی پاکر بے سمجھ نہیں رہ سکے گا ۔ اس لئے وہ ہر روز اپنے خاوند سوداگر سے کہتی "بیٹا بڑا ہو گیا ہے ۔ اس کا بیاہ کرنا چاہئے ۔ جس سے ہم بھی گھر میں ایک بہو لاکر اپنی زندگی کے باقی دن سُکھ سے بسر کر سکیں "

سوداگر جواب میں کہتا :۔ "بیاہ کرنا تو ٹھیک ہے مگر کیوں کسی بے چاری کو اس کم عقل کے پلّے باندھنے کو کہتی ہو۔ اُس بے چاری کی زندگی برباد ہو جائے گی ۔ بیٹا سُدھر نہیں سکتا ۔ نادان ہے اور نادان ہی رہے گا ۔ ہمارا نام ڈبوئے گا اس لئے مجھ سے اس بارے میں کچھ بھی نہ کہا کرو ۔"

لیکن بیوی کے بار بار ہٹ کرنے پر وہ ایک دن راضی ہو گیا ۔ مگر ایک شرط طے ہوئی ۔ وہ یہ تھی کہ سوداگر نادان بیٹے کو ایک بار پھر سے آزمائے بیوی نے یہ شرط مان لی ۔

سوداگر نے دوسرے دن اپنے بیٹے کو پاس بُلا لیا اور کہا :۔ "بیٹا یہ لو تین پیسے ۔ ان کو لے کر بازار جاؤ۔ ایک پیسے میں اپنے لئے کچھ چبینا لو۔ دوسرے کو پانی میں ڈال دو۔ تیسرے پیسے سے پانچ چیزیں مول لو۔ کچھ کھانے

کی۔ کچھ پینے کی، کچھ چبانے کی، کچھ باغ میں بونے کی اور کچھ گائے کو کھلانے کے لئے۔"

سوداگر کا بیٹا تین پیسے لے کر بازار گیا۔ پہلے پیسے میں اپنے لئے کچھ کھانے کی چیزیں لیں اور ندی کی طرف چلا۔ ندی پر پہنچ کر وہ سوچنے لگا کہ پیسہ تو کام کی چیز ہے۔ بھلا اسے ندی میں کیوں پھینک دوں مگر باپ کا حکم بھی تو ماننا ہی ہے۔ یہ سوچتے سوچتے اُس نے نہ تو ندی میں پیسہ پھینکا اور نہ یہ سوچ سکا کہ کیا کیا جائے۔ وہ وہیں ندی کے کنارے بُت کی طرح کھڑا ہوگیا۔ اتنے میں وہاں ایک نوجوان لڑکی آئی۔ اُس نے جب سوداگر کے بیٹے کو اس طرح دیکھا تو پاس آکر بولی: "آپ کیا سوچ رہے ہیں؟"

سوداگر کے بیٹے نے ساری بات کہہ سنائی تو وہ بولی: "پیسہ ندی میں پھینکنا نادانی ہے۔ یہ تو پاس رکھنے کی چیز ہے اور ایک پیسے میں پانچ چیزیں مول لینے سے تمھارے باپ کا مطلب یہ ہے کہ تم ایک تربوز مول لے لو اُس میں یہ پانچوں چیزیں ہیں۔"

یہ نوجوان لڑکی وہاں کے لوہار کی دانا بیٹی تھی۔ سوداگر کے بیٹے نے اُس کی بات مان لی۔ وہ بازار سے ایک

تربوز مول لے کر گھر گیا اور اُسے باپ کے سامنے رکھا
اُس کا باپ یہ دیکھ کر حیران ہُوا کہ اُس کا بے سمجھ بیٹا
یکا یک دانا کس طرح ہو گیا۔ اِس پر اُس نے اُس سے
پُوچھا۔" بیٹا سچ بتاؤ تمھیں یہ چیز مول لینے میں کس نے
مدد دی۔ یہ تو تمھاری عقل سے باہر ہے!"

بیٹے نے اُسی وقت ساری بات کہہ دی۔ سوداگر نے
لوہار کی لڑکی کی دانائی کی داد دی اور دل میں فیصلہ کر لیا
کہ اگر بیٹے کا بیاہ کرنا ہی ہے تو اِسی لڑکی سے ہونا چاہئے
اُس نے یہ بات اپنی بیوی سے بھی کہہ دی۔ اُسے بھی یہ
بات بہت پسند آئی۔

دن گزرتے گئے۔ ایک دن سوداگر لوہار کے گھر اس
خیال سے گیا کہ اُس کی لڑکی سے بیٹے کے بیاہ کی بات
پکّی کرے۔ لیکن اُس وقت نہ تو لوہار ہی گھر پر موجود تھا
اور نہ اُس کی بیوی۔ لوہار کی بیٹی نے امیر مہمان کو عزّت سے
جگہ دی اور چائے بنائی۔ سوداگر نے چائے کا پیالہ پیتے ہوئے
کہا: " بیٹی تمھارے ماں باپ کہاں گئے ہیں؟"

ہوشیار لڑکی نے جواب دیا: " میرے باپ تو بازار
سے ایک کوڑی کا ہیرا مول لانے گیا ہے اور ماں ایک کے گھر کچھ
باتیں بیچنے گئی ہے۔

سوداگر نے لاکھ کوشش کی کہ اس بات کو سمجھ لے۔ مگر سمجھ نہ سکا۔ اِس لئے اُس نے پھر کہا "بیٹی میں تمھاری باتیں نہیں سمجھ سکا۔ مہربانی کر کے مجھے سمجھا دو۔"

یہ سُن کر وہ بولی :۔ "میرے باپ تو دینے کے لئے ایک کوڑی کا تیل لانے گئے ہیں۔ میری ماں کسی کا بیاہ طے کرنے کے لئے گئی ہیں۔ یہی اس کا مطلب ہے۔"

اتنی دیر میں لوہار اور اُس کی بیوی دونوں آگئے۔ سوداگر نے اُنھیں اپنے آنے کا سبب کہہ سُنایا۔ وہ اس بات کو مان گئے اور سوداگر کے نادان بیٹے کا بیاہ لوہار کی دانا بیٹی کے ساتھ طے ہو گیا۔

دوسرے دن ہی سارے شہر میں یہ خبر پھیل گئی کہ سوداگر اپنے بیٹے کا بیاہ ایک لوہار کی بیٹی سے کرنے والا ہے۔ شہر میں طرح طرح کی باتیں ہونے لگیں۔ بہت سے شریر لوگوں کو جلن بھی ہوئی کہ ایک غریب باپ کی بیٹی بڑے سوداگر کی بہو ہو جائے گی۔ وہ اِسے سہہ نہ سکے اور ایک دن سوداگر کے بیٹے سے جا کر بولے :۔ "دیکھو جی تم امیر ہو۔ اس بیوی سے جو تم جانتے ہو۔ غریب باپ کی بیٹی ہے تم دُکھ پاؤ گے۔ اس لئے اِسے قابو میں رکھنے کے لئے ہر رات جوتوں سے اُس کی مرمت کرتے رہنا نہیں تو آخرکار

وہ سر پر سوار ہو جائے گی"۔ دوستوں کی یہ بات اُس نادان نے مان لی۔

جب اس بات کا پتہ لوہار کو چلا تو اُس نے اپنی بیٹی کو اس بات پر مجبور کرنا چاہا کہ وہ ایسے نادان سے بیاہ نہ کرے مگر اُس نے کہا:- "میں بیاہ کروں گی اور اسی سوداگر کے بیٹے سے کروں گی"۔ پھر سمجھا کر بولی:-

"آپ کوئی فکر نہ کریں۔ وہ جو کچھ کہتا ہے ویسا کبھی نہ ہوگا۔ اپنی عقل سے سب کی زندگی کو سُکھی بناؤں گی"۔

کچھ دن بعد بہت دُھوم دَھام کے ساتھ اُن کا بیاہ رچایا گیا۔ پہلی ہی رات سوداگر کے بیٹے نے اپنے شریر دوستوں کی نصیحت پر چلنے کے ارادے سے جُوتا اُٹھا لیا۔ اور یہ سوچ کر کہ اُس کی بیوی سوئی ہوئی ہے۔ اُس نے اُسے جُوتوں سے پیٹنے کی کوشش کی۔ مگر اُس نے ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا:- "دیوتا سہاگ رات کو ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ یہ بُری بات ہے"۔

اُس کا شوہر یعنی سوداگر کا بیٹا مان گیا۔ اس طرح وہ ہر رات اُسے کچھ نہ کچھ کہہ کر ٹالتی رہی۔ سات دن کے بعد بہو اپنے میکے چلی گئی۔ یار لوگوں کو جب سوداگر کے بیٹے سے پتہ چلا کہ اُس نے اُن کے کہنے پر عمل نہیں کیا ہے۔ تو بولے:- "تم تو ڈرپوک ہی نکلے۔ اب دیکھنا تمھاری بیوی تمھیں کیسا ناچ نچائیگی"۔

بہو تو میکے گئی اور اِدھر سوداگر نے اپنے بیٹے کو بہت سا
مال و دولت نوکر چاکر سواری وغیرہ دے کر باہر کے ملک
میں بیوپار کرنے کو بھیجا۔ سوداگر کا خیال تھا کہ اِس سے اُس
کا بیٹا کچھ تجربہ حاصل کرے گا۔ سوداگر کا بیٹا پردیس جاتے
ہوئے ایک دن ایک شہر میں پہنچا وہاں اُس نے ایک
ایک عالی شان محل کی ایک کھڑکی سے ایک خوبصورت نوجوان
لڑکی کو جھانکتے ہوئے دیکھا۔ محل کے چاروں طرف ایک اُونچی
دیوار تھی اور اُس کے چاروں طرف سیب، ناشپاتی اور بادام
کا ایک بڑا باغ تھا۔ اُس خوبصورت عورت نے سوداگر کے
بیٹے کو محل میں آنے کا اشارہ کیا۔ سوداگر کا بیٹا محل کے اندر
اپنے سب نوکر چاکر اور مال وغیرہ لے کر گیا۔ کچھ میٹھی میٹھی
باتیں کرنے کے بعد نوجوان عورت نے اُسے نرد (ایک خاص
طرح کی شطرنج) کھیلنے کو کہا۔ اُس نے کھیلنا منظور کر لیا۔ مگر
سوداگر کا بیٹا نرد کھیلنا تو جانتا ہی نہ تھا۔ اور وہ نوجوان عورت
اِس میں پوری ماہر تھی۔ کچھ ہی بازیوں کے بعد سوداگر کا بیٹا
اپنا سب کچھ اور اپنے آپ کو بھی ہار گیا۔ اُس عورت نے اِس
کا مال و دولت اپنے خزانے میں جمع کرایا اور اُسے اُس کے
نوکروں کے ساتھ قید خانے میں بند کر دیا۔ قید خانے میں
اُس کے ساتھ بُرا سلوک ہونے لگا۔ اور وہ بہت دُبلا

ہو گیا۔

قید خانے کی سلاخوں میں سے اُس نے ایک دن ایک راہگیر سے درخواست کی کہ وہ اُس کی بات سُن لے۔ مسافر کے یہ کہنے پر کہ وہ سری نگر کا رہنے والا ہے۔ سوداگر کے بیٹے نے اُسے خط لے جانے کو کہا۔ مسافر نے اُس پر رحم کر کے اُسے قلم دوات اور کاغذ لا کر دیا اور اُس نے دو خط لکھ کر اُسے دیئے۔ ایک خط تو اُس نے اپنے باپ کو لکھا۔ جس میں اُس نے سب حال سچ سچ لکھ دیا اور دوسرا اپنی بیوی کے لئے جس میں اُس نے لکھا: "میں اب بہت دولت مند ہو گیا ہوں اور اب جلد آ کر تمہارے خوب جُوتے ماروں گا۔" مسافر دونوں خط لے کر رخصت ہوا۔

وہ بے چارہ اَن پڑھ تھا۔ شہر میں آ کر اُس نے باپ کے نام کا خط لوہار کی لڑکی کو دیا اور اُس کا خط سوداگر کو لوہار کی لڑکی نے خط دیکھا تو بہت دُکھی ہوئی اور اُسی وقت سوداگر کے پاس گئی۔ اُس نے بھی اپنا خط دکھایا۔ لائق بہو نے سوداگر سے مال و دولت مانگ کر اُسی طرح شہر سے پردیس کیلئے کُوچ کیا اور اپنی شکل ایک سوداگر کی بنا کر وہ بھی اُسی محل کے پاس آئی۔ محل میں جا کر اُس نے اُس عورت کو نرد کھیلنے کے لئے للکارا۔ نوجوان عورت کے نوکروں کو لالچ دے کر اُس نے پہلے ہی اپنا طرف دار کر لیا۔ اور اُس کے ہر بار جیتنے کا بھید

بھی جان لیا۔ دوسرے دن اُس نے زرد کی سب بازیاں جیت کر اُس نوجوان عورت تک کو جیت لیا اور اُسے اپنا قیدی بنا لیا۔ اُسی وقت اُس نے اپنے شوہر کو قید سے باہر نکلوایا اور اُس کے کپڑے بدلوائے۔ مگر وہ اُسے نہ پہچان سکا۔

اگلے دن لوہار کی بیٹی اپنے شہر کے لئے روانہ ہو گئی۔ اُس ہاری ہوئی نوجوان عورت کا سب مال بھی اُونٹوں اور گھوڑوں پہ لاد لیا اور اپنے خاوند کی قید کی پوشاک کو ایک صندوق میں بند کروا کر اُس کو اپنے پاس ہی رکھ لیا۔ شہر سے باہر پہنچتے ہی اُس نے اپنے شوہر کو سب مال لے کر گھر جانے کو کہا اور بولی:۔ آپ گھر جایئے میں بھی جلد ہی آپ سے ملنے آتا ہوں۔

گھر پہنچنے پر سوداگر کے بیٹے کا استقبال بہت اچھی طرح ہوا۔ اُس کے ماں باپ کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ کچھ دن بعد اُس کی بیوی بھی وہاں آئی۔ سوداگر کا نادان بیٹا یہ سوچ کر کہ وہ اب بہت مال دار ہے۔ یکایک اُٹھا۔ اُس نے اپنے پاؤں سے جوتا اُتارا اور اپنی بیوی کو پیٹنے کو آمادہ ہوا۔ اُس کی بیوی نے اُس کی قید کی نشانی، کپڑوں کا وہ صندوق جو ساتھ لائی تھی، منگوائی۔ اُس نے اس کا ڈھکنا کھولا اور وہ کپڑے نکال کر اُسے دکھائے مگر مُنہ سے کچھ نہ کہا۔ سوداگر کا بیٹا یہ دیکھ کر حیران ہوا اور سب بات سمجھ گیا۔ کہ اُسے

چھڑانے والا اُس کی دانا بیوی کے سوا اور کوئی نہیں تھا وہ بہت شرمندہ ہوا۔ اُس نے اپنی ساری کہانی کہہ سُنائی اور اُس سے معافی مانگ لی۔ اس کے بعد وہ دونوں سُکھ سے زندگی بسر کرنے لگے۔

دیکھنے والے بھی ادھڑے کو دیکھ کر ترس کھاتے مگر سب بھائی
اس کی ہنسی اڑاتے اور اسے پکڑ کر تنہائی میں چڑاتے۔

شریمتی شانتی گپتا

لوک کہانی پر مبنی

ادھڑا

کسی ملک میں ایک راجہ رہتا تھا۔ اُس کے سات بیٹے تھے
اُن میں سے چھ بیٹے لمبے چوڑے اور خوب موٹے تازے تھے
لیکن سب سے چھوٹا بیٹا آدھے جسم کا تھا۔ اُس کے ایک

ہی ہاتھ تھا۔ ایک ہی پاؤں، ایک ہی آنکھ ایک ہی کان آدھی ناک اور آدھا سر تھا۔ اس لئے سب اُسے ادھڑا کہہ کر پکارتے تھے۔ ادھڑا قد کا چھوٹا تھا۔ اُس کی آنکھ بالکل چھوٹی سی تھی جب وہ کوئی چیز دیکھتا تو اپنی آنکھ جلدی جلدی گھماتا۔ اُس کا کان بھی چھوٹا سا تھا۔ جب وہ کچھ سننے کی کوشش کرتا تو کان پر ہاتھ لگا لیا کرتا۔ یہ سب تو تھا ہی، اُس کی چال سب سے بڑھیا تھی۔ ایک ٹانگ سے مُرغے کی طرح اَکڑ اَکڑ کر چلتا۔

ادھڑے کی ماں اُسے اپاہج جان کر اُس کا سب سے زیادہ دھیان رکھتی۔ اُس کا لاڈ پیار ادھڑے پر ہی رہتا۔ دیکھنے والے بھی اَدھڑے کو دیکھ کر ترس کھاتے مگر سب بھائی اُس کی ہنسی اُڑاتے اور نوکر چاکر تنہائی میں چڑاتے۔ ادھڑا اُن سب کی شکایت کرتا تو اُنھیں خوب ڈانٹ پڑتی۔ لاڈ پیار سے رفتہ رفتہ اُدھڑے کا مزاج بگڑ گیا۔ وہ سب سے اَکڑ کر بولتا۔ کبھی کسی کی مدد نہ کرتا۔ اور نہ کسی کے دُکھ درد میں کام آتا۔ وہ گھمنڈی بھی ہو گیا۔ اور اپنے آپ کو بُہت چالاک سمجھنے لگا۔

رفتہ رفتہ اَدھڑا بڑا ہوا۔ اب اُسے دُنیا دیکھنے کی خواہش ہوئی۔ اُس نے اپنی خواہش ماں سے کہی۔ ماں نے اُسے بہتیرا سمجھایا کہ باہر جاکر بہت تکلیفیں اُٹھانی پڑتی

ہیں۔ اور اس پر وہ تو ادھڑا تھا۔ کہیں مُصیبت میں پڑ جائے تو بچنا بھی مشکل۔ ماں نے بہت منع کیا۔ مگر ادھڑا کہاں رُکنے والا تھا۔ اُس کی تو عادت تھی کہ جب کبھی کوئی دُھن سما جاتی تو ضرور اُسے پُورا کر کے چھوڑتا۔ جب ادھڑا کسی طرح نہیں مانا تو ماں نے اُس کے ساتھ کچھ ضروری سامان رکھ دیا اور چلتے وقت بولی :- "بیٹا ایک بات یاد رکھنا۔ جو کوئی تم سے مدد مانگے اُس کی مدد ضرور کرنا اور سب سے نرمی کا برتاؤ کرنا۔ جاؤ بھگوان تمھاری رکھشا کرے" ماں کی بات سُن کر ادھڑا گھر سے چل دیا۔

اپنے شہر سے نکل کر ادھڑا ایک جنگل میں آ پہنچا۔ وہاں ایک درخت کی چھاؤں میں بیٹھ کر ستانے لگا۔ اتنے میں اُسے کہیں سے ایک ننھی سی آواز سُنائی دی :- "میری مدد کرو" ادھڑے نے اپنی چھوٹی سی آنکھ گُما گُما کر چاروں طرف دیکھا اور کان لگا کر سُنا۔ یہ آواز پاس بہتے ہوئے ایک جھرنے میں سے آ رہی تھی۔ جھرنا ادھڑے سے التجا کرنے لگا :- "جناب گھاس اور پتیوں نے اٹک کر میرا رستہ روک دیا ہے۔ میں آگے بہہ نہیں سکتا۔ رحم کر کے میرا رستہ صاف کر دیجئے"۔

ادھڑا اکڑ کر بولا :- "ہُوں" میں کوئی جنگی جمعدار ہوں۔ جو تمھارا کوڑا کرکٹ نکالوں۔ سڑتے رہو وہیں پڑے۔ مجھے

جھرنا ادھڑے سے التجا کرنے لگا [illegible]

[illegible]

بہت وقت جاتا ہے۔" یہ کہہ کر وہ اکڑ کر چل دیا۔

آگے چل کر رستے میں راکھ کا ڈھیر ملا۔ ادھڑے کو ایک ننھی سی آواز سُنائی دی: "میری مدد کرو۔" ادھڑے نے اپنی چھوٹی سی آنکھ گھما گھما کر چاروں طرف دیکھا اور کان لگا کر سُنا۔ یہ آواز راکھ کے ڈھیر میں سے آرہی تھی۔ راکھ کے ڈھیر میں دبی ہوئی آگ ادھڑے سے التجا کرنے لگی بولی:۔ "جناب میرے اوپر تھوڑی سی گھاس پھوس ڈال دیجیے۔ میں بجھی جا رہی ہوں میری مدد کیجیے۔"

یہ سُن کر ادھڑا اکڑ کر بولا۔ "میں کوئی بھاڑ جھونکنے والا ہوں جو تمہارے اوپر گھاس پھوس ڈالوں۔ پڑی بجھتی رہو۔ مجھے بہت

دوُر جانا ہے " یہ کہہ کر مُرغے کی طرح اکڑ کر وہ آگے بڑھ گیا۔
چلتے چلتے کچھ جھاڑیاں ملیں ادھڑے کو پھر ایک ننھی سی آواز آئی۔ "میری مدد کرو" اُس نے اپنی چھوٹی سی آنکھ گھما گھما کر چاروں طرف دیکھا۔ اور کان لگا کر سُنا۔ جھاڑیوں میں سے ہوا ادھڑے سے گڑگڑا کر التجا کرنے لگی بولی:- جناب مہربانی کر کے مجھے ان جھاڑیوں میں سے نکال دیجیے۔ میں یہاں پھنسی ہوئی ہوں۔ یہاں سے چھٹکارا پاؤں تو آسمان کی سیر کروں "!
ادھڑے نے اکڑ کر کہا:- میں کوئی دھونکنی ہوں جو تمہیں پھونک مار کر وہاں سے چھڑا دوں وہیں بندھی پڑی رہو مجھے بہت دوُر جانا ہے " یہ کہہ کر ادھڑا مرغے کی طرح اکڑتا ہوا پھر آگے بڑھا۔
جنگل پار کر کے ادھڑا ایک شہر میں آپہنچا۔ شہر میں وہ جہاں بھی جاتا اُسے سب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے۔ ایک دوسرے سے ادھڑے کو دیکھ کر کہتا۔ "ارے دیکھ! کیا عجیب جانور ہے! ہم نے تو آج تک کبھی ایسا دیکھا نہیں۔ نہ جانے کون سے ملک سے آیا ہے " اور جب ادھڑا اکڑ کر آگے بڑھ جاتا تو لوگ خوب ہنستے۔ بچے تالیاں پیٹتے۔ وہ کسی کی پروا نہ کرتا ہوا سارے شہر میں چکر لگا آیا۔ وہاں اُسے کہیں ٹھہرنے کی جگہ نہ ملی۔ تھک کر وہ ایک درخت کے نیچے سوگیا جاڑے کا موسم تھا اور

اُس کے پاس اوڑھنے کے لئے کوئی کپڑا بھی نہیں تھا ۔ رات کو اُسے
خواب میں جھاڑیوں میں پھنسی ہوئی ہوا دکھائی دی ۔ وہ کہہ رہی
تھی :۔"اُس دن تم نے میری مدد نہیں کی ۔ اب میری طاقت
دیکھنا ۔" رات بھر ٹھنڈی ہوا چلتی رہی ۔ اور ادھڑا وہیں پڑا
ہُوا ہُوا کے تھپیڑے کھاتا رہا ۔ وہ جاڑے کے مارے مُرغا
بنا پڑا رہا ۔ سُورج نکلنے پر جاگا ۔ تو اُس نے اپنے آپ کو
سچ مچ کا مُرغا بنا ہُوا پایا ۔ ادھڑا مُرغا ہو کر بھی آدھا ہی رہا ۔
وہی ایک آنکھ آدھا سر آدھا پیٹ اور ایک ٹانگ بے چارہ
بُہت دُکھی ہُوا ۔

پُھدکتا

پُھدکتا وہ شہر
کی طرف دانے
کی تلاش میں
نکلا ۔ چلتا چلتا
راجہ کے مُرغی

بے وقت کی بانگ سُن کر سب مُرغے مُرغیاں اس کی طرف دیکھنے لگے اور گھیر کر کھڑے
ہو گئے ۔ ادھڑے نے سب کو اپنے چاروں طرف دیکھا تو شان کے مارے اکڑ گیا

خانے میں جا پہنچا ۔ اور لگا زور سے بانگ دینے ۔ بے وقت
کی بانگ سُن کر سب مُرغے مُرغیاں اُس کی طرف دیکھنے لگے
اور گھیر کر کھڑے ہو گئے ۔ اَدھڑے نے سب کو اپنے
چاروں طرف دیکھا تو شان کے مارے اکڑ گیا ۔ اور کڑک کڑک

کر دانہ چگنے لگا۔ اتنے میں راجہ کا باورچی مرغی لینے آیا۔ اُس کی نگاہ ادھڑے پر پڑی بس اُس نے اُسے ٹانگ سے پکڑ کر اُٹھا لیا اور باورچی خانے میں لے جاکر پانی کے برتن میں ڈال برتن آگ پر رکھ دیا۔ ادھڑا پانی سے گڑگڑا کہنے لگا:
مہربانی کرکے مجھے باہر نکال دو۔ نہیں تو میں مرجاؤں گا۔" پانی جھنس کر بولا:۔"کیا تم گھاس اور پتیوں سے اٹکے ہوئے پانی کے جھرنے کو بھول گئے؟ میں وہی تو ہوں۔ تم نے جیسی میری مدد کی تھی ویسی ہی میں تمھاری مدد کروں گا۔" ادھڑا اپنا سا مُنہ لے کر رہ گیا۔

آہستہ آہستہ پانی گرم ہونے لگا اور ادھڑا جھلسنے لگا۔تب وہ آگ سے گڑگڑا کر بولا:۔"مجھ پر رحم کرو۔ تم اپنی لپٹیں نیچی رکھو۔ نہیں تو پانی گرم ہوکر مجھے مار ڈالے گا۔"
آگ بہت زور سے ہنسی بولی:۔"کیا تم راکھ کے ڈھیر میں دبی ہوئی آگ کو بھول گئے۔ جب اُس نے گڑگڑا کر تم سے مدد مانگی تھی۔ تم نے کچھ مدد کی تھی؟ میں وہی آگ ہوں۔ اب تم یہیں جل مرو۔" یہ کہہ کر آگ تیزی سے جلنے لگی۔

اب تو ادھڑے کی جان پر بن آئی۔ اُس نے بہت ہاتھ پاؤں مارے۔ برتن کا ڈھکنا ہٹا لیا پھدک کر باہر آیا اور کھڑکی میں جا بیٹھا۔ اتنے میں بہت زور کی ہوا چلی اور گیلے ادھڑے

کو اُوپر اڑا کر لے گئی ۔ ادھڑا نیچے آنے کی کوشش کرتا تھا مگر
ہوا اُسے اُوپر اٹھاتی ہوئی آسمان میں بہت اُونچائی پر لے گئی اور
وہاں سے اُسے یکایک نیچے ٹپک دیا۔ ادھڑا ایک اُونچے برج پر
لگی ہوئی لوہے کی کیل پر آکر اٹک گیا۔ وہاں سے وہ لاکھ کوشش
کرنے پر بھی اپنے کو نہ چھڑا سکا۔ وہ ابھی تک وہیں اٹکا ہوا ہے
ہوا اُسے خوب نچایا کرتی ہے ۔
لوگ کہتے ہیں کہ وہ ہوا کا رُخ بتانے والا آلہ ہے۔

پنجابی لوک کہانی

ہنس راج رہبر

دلیر لچھی

کسی گاؤں میں ایک لڑکی رہتی تھی۔ جس کا نام تھا لچھی۔ ایک دن وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ کنوئیں پر پانی بھرنے گئی۔ وہاں سب لڑکیاں اپنے سگائی بیاہ کی باتیں کر رہی تھیں۔ ایک سہیلی جس کا نام بنتو تھا بولی:-"میرے باپ نے میرے بیاہ کیلئے قیمتی کپڑے خرید رکھے ہیں"

دوسری نے کہا:-"میرے سسرال میں مخمل کی سُندر وَری (دُلہن کے بیاہ کے کپڑے) تیار ہو رہی ہے"۔ یوں سب لڑکیاں باتیں کر رہی تھیں۔ کوئی اپنے بھائی کی بات کہتی تھی اور کوئی اپنے ماموں کی۔

لچھو بےچاری سہیلیوں کی باتیں چُپ چاپ سُن رہی تھی اُس کے پاس کہنے کو کوئی بات نہیں تھی۔ بُہت دن ہوئے اُس کے ماں باپ مر چکے تھے اور وہ اُس کے لئے کوئی دھن دولت بھی نہیں چھوڑ گئے تھے۔ کوئی بھائی بند بھی نہیں تھا۔ جس کا

سہارا لیتی ۔ بے چاری اکیلی تھی اور غریبی میں دن کاٹ رہی
تھی ۔ اُس کے بیاہ کا انتظام کون کرتا ؟ لیکن جی چاہتا کہ
وہ بھی سہیلیوں کی بات چیت میں حصّہ لے ۔ اس لئے اُس
نے یُونہی ایک بات بنائی اور کہا :۔ "میرا چچا بھی پردیس
سے آ رہا ہے ۔ وہ میرے لئے بُہت سے زیور گہنے
اور قیمتی کپڑے لائے گا"۔

ایک بساطی جو گاؤں میں اپنا سامان بیچنے آیا تھا۔ کہیں
پاس ہی بیٹھا تھا۔ لڑکیوں کی یہ باتیں سُن رہا تھا۔ وہ بساطی
ایک چالاک ٹھگ تھا ۔ اور سامان بیچنے کے بہانے لوگوں
کے بھید معلوم کیا کرتا تھا۔ جب اُس کا داؤ لگتا تھا لوگوں
کو لُوٹ لیتا تھا۔

لچھّو کی بات سُن کر وہ دل ہی دِل میں خوش ہوا اور
دوسرے دِن بھیس بدل کر اُس کے گھر چلا گیا ۔ وہ اپنے
ساتھ قیمتی کپڑے اور زیور بھی لایا تھا۔ اُس نے لچھّو سے کہا،
"میں تمہارا چچا ہوں ۔ کئی سال پردیس میں رہ کر بُہت سی
دولت کما کر واپس آیا ہوں ۔ میں تمہارا بیاہ اپنے ایک دولتمند
دوست کے بیٹے سے کرنا چاہتا ہوں"۔ لچھّو بھولی بھالی سادہ
دِل لڑکی تھی ۔ اُس نے ٹھگ کی باتوں کا سادگی سے یقین
کر لیا۔ اُس نے گھر کا سارا سامان باندھا اور ٹھگ کے

ساتھ چل پڑی۔ جب وہ دونوں ٹھگ کے گھر کی طرف جا رہے تھے۔ تو ایک چڑیا نے چوں چوں کرتے ہوئے کہا۔

'واہ نی لچھو' متلوں گھتی
ٹھگ تال ٹھگی گئی'

(واہ ری لچھو تیری عقل کہاں کھو گئی جو تو ایک ٹھگ سے ٹھگی گئی)

لچھو پرندوں کی زبان سمجھتی تھی۔ اُس نے اپنے چچا سے پوچھا "یہ چڑیا کیا کہہ رہی ہے؟"

ٹھگ نے جواب دیا۔ "چوں چوں کرنا اور شور مچانا اِن چڑیوں کی عادت ہے" ہمیں اس سے کیا مطلب ہے" تھوڑی دور آگے بڑھے تو ایک مور ملا اُس نے وہی بات کہی۔

پھر ایک گیدڑ ملا۔ اُس نے بھی یہی بات کہی۔ لچھو کے پوچھنے پر ٹھگ ہر بار کہہ دیتا تھا کہ شور مچانا اِن جانوروں پرندوں کی عادت ہے۔ ہمیں اس سے کیا مطلب؟

ٹھگ لچھو کو ساتھ لے اپنے گھر پہنچا اور گھر پہنچتے ہی اُس نے سارا بھید اپنے آپ کھول دیا۔ اور لچھو سے کہا:۔ "میں تمھارا چچا یا کوئی دوسرا بھائی بند نہیں ہوں۔ میں تو تمھاری خوبصورتی کا دیوانہ ہوں اور تمھارے ساتھ بیاہ کرنے کے لئے تمھیں یہاں لایا ہوں۔"

لچھو سُن کر بہت روئی۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ اُس کے لئے اب وہاں سے بھاگ جانا بھی ممکن نہیں تھا۔ اُسے رستے کے جانوروں اور پرندوں کی باتیں یاد آئیں۔ اور افسوس ہوا کہ اُس نے اُن پر دھیان کیوں نہ دیا۔ وہ واقعی ٹھگ سے ٹھگی گئی تھی۔

ٹھگ جب چوری اور ٹھگی کے لئے باہر جاتا تو لچھو کو اپنی ماں کے سپرد کر جاتا تاکہ وہ اُس پر کڑی نگرانی رکھے اور اُسے کہیں باہر نہ جانے دے ٹھگ کی ماں بہت بوڑھی تھی۔ اُس کے چہرے پر جھریاں تھیں۔ گالوں کی کھال لٹک گئی تھی اور سر گنجا تھا۔

لچھو کے بال بہت لمبے تھے۔ کالے اور خوش نما! ناگن کی طرح لہراتے ہوئے۔ بڑھیا کو لچھو کے یہ بال بہت پسند تھے۔ ایک دن جب اُس کا بیٹا ٹھگ گھر سے باہر گیا ہوا تھا تو اس نے لچھو سے پوچھا:۔ "تمھیں یہ خوش نما بال کہاں سے ملے ہیں؟"

لچھو نے فوراً بات بنائی بولی: "یہ سب میری ماں کی مہربانی ہے۔ اُس نے ایک دن میرا سر اوکھلی میں رکھ کر اُوپر سے موسل مارے۔ جیسے جیسے موسل پڑتے تھے میرے بال لمبے ہوتے جاتے تھے۔ ہمارے گاؤں میں یہ بال بڑھانے کا پُرانا رواج ہے۔"

بڑھیا بولی:۔ میرا سر تو گنجا ہے۔ اوکھلی میں سر دے کر

اوپر سے موسل مارنے سے کیا میرے بال بھی لمبے ہو جائیں گے؟"
لچھو نے فوراً جواب دیا: "کیوں نہیں؟ ضرور ہو جائیں گے۔"

بڑھیا بال آگانے کی خوشی میں اوکھلی میں سر دینے کے لئے تیار ہو گئی۔ دوسرے دن جب ٹھگ کام سے باہر گیا تو بڑھیا نے لچھو سے اپنے بال بڑھانے کو کہا۔ لچھو نے اوکھلی میں

اُس کا سر رکھ کر اوپر سے دھڑا دھڑ موسل مارنا شروع کیا۔
موسل کی چوٹوں کے نیچے بُڑھیا تڑپنے لگی اور پانچ سات چوٹوں ہی
سے وہ مر گئی لچھّو نے بُڑھیا کو بیاہ کی پوشاک پہنائی اور
اُس کا گھونگھٹ نکال کر دیوار کے سہارے ایک کونے میں بٹھا
دیا۔ اس کے بعد لچھّو نے گھر کا کچھ دھن اور سامان سمیٹا اور وہاں
سے بھاگ کھڑی ہوئی

رستے میں اُسے ٹھگ ملا۔ وہ کہیں سے چکّی کے دو پاٹ چُرا کر
واپس آ رہا تھا۔ لچھّو اُسے دیکھتے ہی ایک جھاڑی میں چُھپ گئی
ٹھگ نے لچھّو کو دیکھ تو لیا۔ مگر پہچان نہ سکا۔ وہ سمجھا کہ کوئی
عورت کسی کام سے ادھر آئی ہے اس خیال سے کہ
کہیں وہ چوری کا مال دیکھ کر شور نہ مچا دے۔ وہ خود چُھپتا
ہُوا اپنی راہ چلتا رہا۔ جب وہ بہت دور چلا گیا تو لچھّو
جھاڑی کی اوٹ سے باہر نکلی اور اپنے گاؤں کو چل دی۔

ٹھگ جب گھر پہنچا تو اُس نے لچھّو کو آواز دی۔ اُسے کوئی
جواب نہیں ملا۔ جب بار بار پُکارنے پر لچھّو نہ بولی تو اُسے غصّہ
آ گیا اور اُس نے چکّی کے پاٹ بڑھیا کے سر پر دے مارے
نئی پوشاک میں بُڑھیا کو لچھّو سمجھ رہا تھا۔ لیکن جب اُسے
معلوم ہُوا کہ وہ لچھّو نہیں اُس کی ماں ہے تو وہ بِسک بِسک
کر رونے لگا۔ اُس نے سمجھا کہ اُس کی ماں چکّی کے پاٹوں

ہی سے مری ہے۔ ٹھگ نے دل میں فیصلہ کیا کہ وہ لچھو کو واپس لا کر ہی دم لے گا۔

لچھو گاؤں واپس آئی تو ٹھگ کے ڈر سے اپنی ایک سہیلی کے گھر رہنے لگی۔ جب ایک مہینہ اسی طرح گزر گیا تو اُس نے سوچا کہ ٹھگ اب نہیں آئے گا۔ اس لئے وہ اپنے گھر رہنے لگی۔ جب رات کو سوتی تو اپنی حفاظت کے لئے ایک تیز خنجر اپنے سرہانے رکھ لیتی۔

ایک رات جب وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ تو ٹھگ آیا اُس کے ساتھ تین ٹھگ اور بھی تھے اُنھوں نے سوئی ہوئی لچھو کو چارپائی کے ساتھ باندھ دیا اور اُٹھا کر چلتے بنے۔ لچھو کی آنکھ کھُل گئی تھی لیکن وہ چُپ چاپ لیٹی رہی۔ جب وہ جنگل میں پہنچے تو لچھو نے آہستہ سے خنجر نکالا اور پچھلے دو آدمیوں کے سر کاٹ ڈالے اور پھر تیسرے آدمی کا بھی صفایا کر دیا۔ لیکن ٹھگ جان بچا کر درخت پر چڑھ گیا۔ لچھو نے درخت کو آگ لگا دی۔ ٹھگ اُس کے ساتھ ہی جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گیا۔

اس طرح لچھو نے اپنی بہادری اور دلیری سے ٹھگ پر فتح پائی اُس کے گھر گئی اور اس کا سارا دھن اور سامان چھکڑے پر لاد کر اپنے گھر لے آئی۔

آس پاس کے دیہات میں اُس کی بہادری کا چرچا ہونے لگا۔ بہت سے نوجوان اُس کے ساتھ بیاہ کرنے کو تیار ہو گئے۔ لچھو نے اپنی پسند کے ایک لڑکے سے بیاہ کر لیا اور وہ سُکھ اور مزے سے رہنے لگی۔

ٹی۔این۔ایس سیتارامن

تامل ناڈو کی لوک کہانی

گرم جامن

بہت دنوں کی بات ہے۔ تامل ناڈو میں ایک بڑھیا رہتی تھی۔ اُس کا نام اَوّیار تھا۔ وہ بہت دلکش شعر لکھتی تھی اُس کی شاعری کے قدردان ہو کر بڑے بڑے راجے اُس کی عزت کرتے تھے۔ راج دربار میں بھی اُس کی مثال کا کوئی دوسرا شاعر نہ تھا۔ اس وجہ سے اُسے بہت گھمنڈ ہو گیا

ایک دن وہ کہیں جا رہی تھیں سڑک کے کنارے جامن کے درخت تھے۔ کالے کالے جامن درختوں کی ٹہنیوں سے لٹک رہے تھے جامنوں کو دیکھ کر اَوّیار کے منہ میں پانی بھر آیا۔ لیکن درخت اُونچے تھے۔ بیچاری بڑھیا کیا کر سکتی تھی؟ بڑھیا نے ایک درخت کے نیچے آ کر اُوپر دیکھا۔ درخت کے اُوپر ایک چرواہے کا لڑکا ٹہنی پر بیٹھا جامن کھا رہا تھا۔ لڑکے کو دیکھ کر بڑھیا نے اُس سے کہا:۔ "بیٹا میں بھوکی ہوں مجھے بھی کچھ

جامن کھلاؤ۔"

یہ سُن کر لڑکے نے بڑھیا سے پُوچھا: "نانی تمھیں گرم گرم جامن چاہئیں یا ٹھنڈے؟"

یہ سُن کر بڑھیا پس وپیش میں پڑ گئی اور اُس نے لڑکے سے پُوچھا:۔ "بیٹا تم پاگل تو نہیں ہو؟ کہیں جامن بھی گرم یا ٹھنڈے ہو سکتے ہیں؟ نہیں نہیں یہ صرف تمھاری بھول ہی ہے۔" لڑکے نے پھر کہا:۔ "اجی اُوتیا دجی! آپ

یہ سُن کر لڑکے نے بڑھیا سے پوچھا
گرم گرم جامن چاہئیں یا ٹھنڈے

تو دانا ہیں۔ آپ کا نام سُنتے ہی تامل ناڈو کے بڑے بڑے عالم لوگ ڈر تے ہیں۔ پھر یہ چھوٹی سی بات بھی آپ نہیں سمجھتیں تو یہ آپ کی خامی ہے۔ میں پاگل تھوڑے ہی ہوں اچھا اب آپ کہیے کہ آپ گرم گرم جامن کھائیں گی یا ٹھنڈے ٹھنڈے؟"

لڑکے کی باتیں سُن کر اَوَیّار بالکل اچنبھے میں آ گئیں اُس کی سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ جامن گرم کس طرح ہو سکتے ہیں پھر بھی وہ اس راز کو سمجھنے کے لئے بے قرار تھی اُس نے لڑکے سے کہا۔ "بیٹا تم مجھے گرم گرم جامن ہی کھلاؤ۔"

لڑکا ہنس کر بولا "اچھی بات ہے بوڑھی نانی۔ لو میں تمھیں گرم گرم جامن کھلاتا ہوں۔" یہ کہہ کر لڑکے نے ایک ٹہنی کو زور سے ہلایا۔ خوب پکے ہوئے کالے جامن زمین پر دُھول میں بکھر گئے۔ بڑھیا انھیں اٹھا اٹھا کر دُھول پھُونک پھُونک کر کھانے لگی۔ یہ دیکھ کر لڑکے نے پُوچھا :- "کیوں نانی جامن تو خوب گرم ہیں نا؟"

اَوَیّار نے جواب دیا :- "بیٹا! کہاں؟ یہ تو ٹھنڈے ہیں!"

لڑکے نے پھر پُوچھا :- "اچھا نانی آپ تو کہتی ہیں یہ گرم نہیں ہیں پھر آپ انھیں پھُونک پھُونک کر کیوں کھا رہی ہیں؟"

یہ کہہ کر لڑکا ہنس دیا۔

اَوَیّار نانی کو اب اپنی بھول معلوم ہوئی۔ اور وہ بہت شرمندہ ہو گئی۔ ایک چرواہے کے لڑکے کے آگے وہ ہار گئی تھی۔ آخر چُپ چاپ چل دی۔ لڑکا خوب ہنستا رہا۔

اَوَیّار نے اپنی اس ہار کے بارے میں کہا:-

"کرونگالی گٹیک نانرا کمّ ڈالی
اِرُونکدلی تنڈک نانرُم۔ پیرُونگارُل کارسے۔ ودّمے۔ پینکم
کا یکّیان ترادِدُو اِیرکُم تجادِین کرُز ڈیہ"

یعنی کرونگالی نام کا ایک درخت کا ہے۔ وہ بہت مضبوط ہوتا ہے۔ اور بہت مشکل سے کاٹا جاتا ہے۔ پھر بھی اس کے کاٹنے سے کلہاڑی کا نقصان نہیں ہوتا۔ لیکن اگر اسی کلہاڑی سے کیلے کے درخت کو کاٹنے لگیں تو کلہاڑی بگڑ جاتی ہے بعد میں وہ درخت کاٹنے کے قابل نہیں رہتی۔ ٹھیک ویسے ہی بڑے بڑے عالموں کو بحث مباحثے میں شکست دینے پر بھی مجھے اس چرواہے کے لڑکے سے ہار ماننی پڑی۔ اس وجہ سے میری آنکھوں کی پلکیں دو دن تک نہیں لگیں گی یعنی مجھے نیند نہیں آئے گی۔

"پوجا کے قابل گورو دیو! میں آپ کے گوروکل میں تعلیم پانے کے لئے آیا ہوں۔"

رام پرتاپ ترپاٹھی شاستری

ایک پرانی لوک کہانی

ستیہ کام

گوتم رشی کے آشرم میں ودیارتھیوں کی گنتی زیادہ تھی۔ اس کا سبب تھا کہ اُن کے پڑھانے لکھانے کا ڈھنگ جتنا دل کش تھا اتنی ہی اعلیٰ۔ دُنیاوی زندگی کی بھی وہ تعلیم

دیتے تھے ۔ سارے ملک میں گوتم کے ودیارتھیوں کی دھاک
بندھی ہوئی تھی اور جب پڑھائی کا نیا سال شروع ہوتا تو
ملک کے کونے کونے سے داخل ہونے والے ودیارتھیوں
کی بھیڑ اکٹھی ہو جاتی ۔

ایک دفعہ جب داخل ہونے والے ودیارتھیوں کی بھیڑ
ختم ہو گئی اور پڑھائی کا سلسلہ چلنے لگا تو دس برس کے
ایک خوبصورت اور تندرست بچّے نے آکر گوتم کے پاؤں کو
چھُوا ۔ اُس کے ہاتھ میں نہ ہَون کی لکڑیاں تھیں اور نہ کمر
میں مُونج کا کمر بند ۔ ہرگ چھالا اور جنیؤ بھی اُس نے نہیں
پہنا ہوا تھا ۔ ودیارتھیوں میں گھرے ہوئے گوتم کے پاؤں کو
جس حوصلے سے اُس نے چھُوا اُسی حوصلے کے ساتھ اُس نے
عاجزی سے عرض بھی کیا ۔ اُس نے کہا ۔

" گورودیو! میں آپ کے گورو کُل میں تعلیم
پانے کے لئے آیا ہُوں ۔ میں آپ کے حکم کے مطابق چلوں گا
اور گورو کُل کے قانون پر باقاعدہ عمل کروں گا ۔ میں آپ کی
سیوا میں ہوں قبول کریں گورودیو "

سیدھے سادے اور بھولی طبیعت والے بچّے کے اِن
معصوم لفظوں سے گوتم کا دل پگھل گیا اور اُس آشرم کے ودیارتھیوں
میں کانا پھُوسی شروع ہو گئی ۔

گوتم نے پیار بھری آواز میں پُوچھا:۔ "بیٹا! تیرا نام کیا ہے؛ تیرا گوتر کیا ہے؟ اور کیا تیرے پتاجی نہیں ہیں جو تو یہاں اکیلا ہی آیا؟"

ودیارتھیوں کی جماعت تصویر بنی ہوئی اُس بچّے کی طرف دیکھنے لگی۔ بچّے نے ہاتھ جوڑ کر عاجزی کے لہجے میں کہا:۔

"گورودیو! ابھی میرا نام کرن سنسکار بھی نہیں ہوا مجھے اپنے گوتر اور پتاجی کے بارے ہی میں کچھ معلوم ہے۔ اپنی ماتاجی سے پُوچھ کر میں آپ کو یہ سب کچھ بتاسکتا ہوں۔ لیکن بھگوان! میں آپ کی سیوا کرنے کا اور وعدہ کرتا ہوں کہ میں گورو کل کے سب قانونوں کا پابند رہوں گا۔ آپ مجھے ناامید نہ کریں گورودیو!"

بچّے کے اس جواب سے شاگردوں کی جماعت دنگ رہ گئی۔ ایک نے اپنے ساتھی کے کان میں کہا:۔ "بھائی یہ عجیب طالب علم ہے! دیکھو نا اسے اپنا نام اور گوتر بھی معلوم نہیں اسی پر بس نہیں، اپنے پتا کو بھی یہ نہیں جانتا! لیکن بھئی ہے بہت ڈھیٹ اور سیدھا۔ اسے دیکھ کر نہ جانے کیوں مجھے دل سے بہت پیار آرہا ہے۔"

ساتھی نے کہا:۔ "چلو درست چھوڑو! یہ کسی شودر کا بیٹا ہے۔ اپنے آپ کو چھپانے کے لئے ایسی باتیں بنا رہا ہے!"

ایک اور طالب علم نے آہستہ سے کہا :۔ "بھائی! معلوم ہوتا ہے گورودیو پر اس کا بہت اثر ہوا ہے۔ چلو ٹھیک ہے۔ بے چارہ پڑھ لکھ لے گا۔ آدمی بن جائے گا!"

ایک کانے طالب علم نے اپنے ساتھی اینچے تانے کو جھنجھوڑتے ہوئے آہستہ سے کہا: "یار! گورو دیو یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ کیا اب ایسے دوغلے طالب علم بھی گورو کل میں لئے جائیں گے؟ اندھیر ہو جائے گا!"

اینچا تانا طنز سے بولا:۔ "بھائی! کیا ٹھکانا ہے۔ دیکھو نا دس برس کا ہو گیا ابھی تک اس کا جنیو بھی نہیں ہوا!"

ننھے بچے نے ودیارتھیوں کی یہ کانا پھوسی سنی۔ لیکن وہ برابر گوتم کے منہ کی طرف ہی دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد گوتم نے پیار سے کہا:۔ "بیٹا! تم جاکر اپنی ماتا سے اپنے گوتر اور پتا کا نام پوچھ آؤ۔ میں تمھیں ضرور اپنے آشرم میں داخل کر لوں گا۔"

بچہ گوتم کے پاؤں پر گر پڑا اور شکر گذاری سے بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "گورو دیو! میں ایسا ہی کروں گا!"

بچہ چپ چاپ اپنے گھر کی جانب واپس چلا گیا۔

پانچ چھ دن بعد شام کو جب گوتم شاگردوں کے ساتھ پوجا پاٹ سے فارغ ہو کر بیٹھے تھے تو وہ بچہ آیا۔ آتے

ہی اُس نے گورو دیو کے پاؤں کو چھو کر ودیارتھیوں کی تمام جماعت کو نمسکار کیا۔ گوتم نے پوچھا:۔"بیٹا! کیا اپنی ماتا سے سب کچھ پوچھ کر آ گئے ہو؟"

بچّے نے عاجزی سے جواب دیا:۔"ہاں مہاراج! میں پوچھ کر آ گیا ہوں۔ میری ماں نے کہا ہے کہ وہ میرا گوتر نہیں بتا سکتی اور نہ میرے پتا کا نام ہی اُسے معلوم ہے۔ اپنی جوانی میں وُہ سادھو سنتوں کی سیوا میں رہتی تھی۔ اُن ہی دنوں میرا جنم ہوا تھا۔ ہاں میری ماں کا نام ہے جبالا۔ اگر اُس کے نام سے میرا کام بنتا ہو تو مجھے اپنے قدموں میں جگہ دیجیے گورو دیو۔" بچّہ یہ کہہ کر پھر گوتم کے پاؤں پر گر کر سسکیاں بھرنے لگا۔

ودیارتھیوں کا گروہ ہکّا بکّا رہ گیا۔ گوتم کے آشرم میں اس طرح کا یہ پہلا واقعہ تھا کہ ایک طالب علم کے باپ اور ذات کا بھی پتہ نہیں مل سکا۔

گوتم اُٹھے اور اُنھوں نے اُس خوبصورت اور بے خوف بچّے کو اُٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا اور خوشی سے بھرائی ہوئی آواز میں بولے:۔"بچّے تمھاری سچائی اور سادہ پن نے مجھے باندھ لیا ہے۔ تم میرے آشرم میں بے ڈر ہو کر رہو۔ میں تمھیں تمام شاستروں کی باقاعدہ تعلیم دوں گا۔ میں تمھاری صداقت پسندی کے سبب تمھارا نام ستیہ کام رکھتا ہوں اور تمھاری ماتا کے نام پر

تمھارا نام 'جبالا' بھی ہوگا۔ میں تمھارے برہمن ہونے کا اعلان کرتا ہوں کیونکہ سچے برہمن کے سوائے چال چلن میں ایسی پاکیزگی اور کہیں نہیں ملتی۔"

بچّے نے اپنی مُراد پالی۔ شکریہ کے آنسوؤں سے اُس کا دَمکتا ہوا چہرہ بھی بھیگ گیا۔ اُدھر ودیارتھیوں کی جماعت چُپ چاپ گوتم کے اس عجیب اعلان پر غور کرتی رہی۔

گوتم نے اپنے ہی سامان سے ستیہ کام کا اُپ نین سنسکار (جنیو پہنانے کا سنسکار) کیا اور پانچ گُل پتیوں (گوروکُل کے چانسلروں) کی موجودگی میں اُسے برہمچاری کی پوشاک دی۔

چودھویں کے چاند کی مانند ستیہ کام کی عقیدت، قابلیت، شخصیت کی ہرطرح ترقّی ہونے لگی۔ تھوڑے ہی دنوں میں وہ گوروکُل کا ہر دِل عزیز طالب علم بن گیا۔ لیکن ابھی تک گورو نے اُس کی تعلیم کا آغاز بھی نہیں کیا تھا۔ ستیہ کام کو اِس کی فکر بھی نہیں تھی۔

ایک دِن گورو نے ستیہ کام کو بُلا کر سب طالب علموں کی موجودگی میں کہا: "بیٹا میں تمھیں ایک مشکل کام پر آشرم سے باہر بھیجنا چاہتا ہوں۔ یہ سامنے چار سو بُوڑھی مریل گائیں کھڑی ہیں۔ تم اُنھیں لے کر دُور جنگل میں لے جاؤ اور جب یہ چار ہزار ہو جائیں تو اِنھیں واپس لے آنا۔"

ستیہ کام نہال ہو گیا۔ خوشی سے بھرائی ہوئی آواز میں بولا :۔"گوردیو کے حکم کو میں بخوشی بجا لاؤں گا۔ میں ایسا ہی کروں گا بھگون!"

جب ستیہ کام اُن مریل بُوڑھی گایوں کو لے کر اکیلا ہی گھنے جنگل کی طرف چلا تو دیکھنے والوں کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ لیکن ستیہ کام کی خوشی کا ٹھکانا نہ تھا۔ وہ مسرّت کے سمندر کی لہروں پر اُچھلتا ہُوا گایوں کو ہانکتا ہوا اس طرح چلا جا رہا تھا جیسے اپنی تعلیم ختم کر کے اپنی ماں کے پاس جا رہا ہو۔

ستیہ کام نے اُن بُوڑھی مریل گایوں کی ایسی تندہی سے خدمت کی۔ ایسی پرورش کی کہ وہ سب سُکھ سے کھا پی کر جوان بن گیئں۔ اور سات سال کے اندر اُن کی گنتی چار ہزار تک پہنچ گئی ایک دن صبح جب ستیہ کام پوجا پاٹ میں محو تھا۔ گایوں کے جھُنڈ میں سے ایک بڑے بیل کے مُنہ سے اُسے انسانی بولی سنائی دی۔ گھنے جنگل میں برسوں بعد انسان کی پیار بھری آواز سُن کر ستیہ کام کی سمادھی ٹوٹ گئی۔ اُس نے آنکھیں کھول کر جب دیکھا تو وہ بڑا بیل اُس کے سامنے کھڑے ہو کر کہہ رہا تھا۔

"جیتے رہو! اب ہماری گنتی چار ہزار ہو گئی ہے۔ ہمیں گرد

کے آشرم میں واپس لے چلو۔ لیکن آشرم میں جانے سے پہلے میں تمہیں کچھ نصیحت بھی کرنا چاہتا ہوں۔ تم میری طرف دیکھو!"
بڑے بیل کی انوکھی اور پیار بھری انسانی بولی سے ستیہ کام کے دل میں خوشی کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ وہ ہاتھ جوڑ کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا:۔ "میں اس کے لیے تیار ہوں بھگوان!"

بڑے بیل نے ستیہ کام کو سیوا برت (خدمت گزاری) کا اُپدیش دے کر کہا:۔ "اب تمھیں باری باری اگنی ہنس اور جل گگٹ (مرغابی) اُپدیش دیں گے۔ اس کے بعد تمھارے گوردیو تمھیں دُنیاوی تعلیم عطا کریں گے!"

ستیہ کام خوش ہو گیا۔ چار ہزار گایوں کے ساتھ اگنی ہنس اور جل گگٹ کے روحانی اُپدیش حاصل کر کے جب گوتم کے آشرم میں پہنچا تو وہاں خوشی کا سمندر اُمنڈ پڑا۔ سب ودیارتھیوں اور آچاریہ گوتم نے دیکھا کہ ستیہ کام کا پُر نور جسم روحانی جلال کی پاک روشنی سے چمک رہا ہے اُس کے دمکتے ہوئے چہرے پر سورج کا جلال اور چاند کا نور ہے۔ انگ انگ سے جمال اور اطمینان کے چشمے پھوٹ رہے ہیں۔ تمام آشرم نے حیرت بھری آنکھوں سے ستیہ کام کے جمال اور اطمینان کو دیکھتے ہوئے آنند حاصل کیا۔ چار

ہزار خوبصورت تندرست صحت مند اور دودھ دینے والی گائیوں سے گوتم کا آشرم سورگ بن گیا۔

اس کے بعد ستیہ کام نے گورو کے قدموں میں بیٹھ کر وہ دُنیاوی علوم بہت تھوڑے ہی وقت میں حاصل کرلئے۔ جن کیلئے باقی برہمچاریوں کو اپنی لمبی زندگی بسر کرنی پڑتی تھی۔ اس کے انکسار، ہمدردی اور خدمت گزاری اور عقیدت نے اُس کی دنیاوی اور رُوحانی تعلیم کو اتنا چمکا دیا کہ گوتم کے آشرم میں وہ ایک اونچے درجے کا عالم بن کر مشہور ہوگیا اور اُس کے نام کو چار چاند لگ گئے۔

بارہ سروں والا ناگ

ایک راجہ تھا اور اُس کی ایک رانی کچھ دن بعد رانی گذر گئی۔ لیکن دو بچے چھوڑ گئی۔ ایک لڑکا ایک لڑکی۔
بعد میں راجہ نے دوسرا بیاہ کر لیا۔ لیکن نئی رانی پہلی رانی کے دونوں بچّوں کو بالکل نہیں چاہتی تھی۔ ہمیشہ اسی سوچ میں رہتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح ان دونوں کو مار دیا جائے
ایک دفعہ لڑکی کو پیاس لگی۔ جیسا کہ بچّوں کی قدرتی عادت ہے۔ اس نے سوتیلی ماں سے کہا:۔ امّاں پیاس لگ رہی ہے۔ چھاچھ پلا دو۔ یہی موقع سمجھ کر سوتیلی ماں نے ایک چھوٹے سے سانپ کے بچّے کو چھاچھ میں ڈالا اور وہی چھاچھ لڑکی کو پلا دی سوتیلی ماں سوچتی تھی کہ اس سے یہ لڑکی مر جائے گی۔ لیکن نتیجہ اُلٹا نکلا۔ لڑکی مری نہیں۔ اُس کے پیٹ میں سانپ روز بروز بڑھنے لگا۔ جس سے لڑکی کا پیٹ پھُولنے لگا۔ سوتیلی ماں کو فکر ہونے لگی کہ لڑکی مری کیوں نہیں؟ اور روز بروز اُس کا

پیٹ بڑھنے کیوں لگا؟ ایسی حالت میں اُسے ایک شرارت سُوجھی ۔ لڑکی اور لڑکے دونوں پر بدچلنی کا الزام لگایا گیا۔ یہی نہیں بلکہ موتیلی ماں اندوس پڑوس کے لوگوں میں یہ بات مشہور کرنے لگی ۔ اس سے وہ دونوں بہن بھائی فکر میں پڑ گئے سوچتے سوچتے ایک دن شرم کے مارے وہ گھر سے نکل گئے اور ایک گھنے جنگل میں جا پہنچے ۔ بے چارے چلتے چلتے بہت تھک گئے تھے ۔ لڑکی کو پیاس لگی ۔ اُس نے بھائی سے کہا ۔ "بھائی ! پیاس لگ رہی ہے ۔ پانی پلاؤ۔"

اُس پاس کہیں پانی نہیں تھا ملتا بھی کہاں ؟ وہ جنگل جو ٹھہرا ۔ لڑکے نے ایک درخت پر چڑھ کر چاروں طرف دیکھا کہ کہیں پانی ہے یا نہیں ۔ اسے پانی تو نظر نہیں آیا ۔ لیکن دُور ایک بڑا شہر دکھائی دیا ۔ بس اُن کی جان میں جان آگئی ۔ دونوں بھائی بہن وہاں پہنچ گئے ۔

اُس شہر میں ایک بڑھیا ۔ جس کا نام پیداسی پیدماتھا رہتی تھی اُس کے کوئی اولاد نہیں تھی ۔ لیکن زمین اور جائداد بہت تھی مال مویشی بھی بہت تھے ۔ ان کے ساتھ ہی ساتھ بڑھیا نے ایک بندریا اور ایک بندر بھی پال رکھتا تھا ۔ بندر ہر روز مال مویشی چرا لاتا تھا ۔ دودھ دوہ کر گھر میں رکھتا ۔ کھیتی باڑی وغیرہ باہر کا سارا کام سنبھالتا

تھا - بندریا دودھ گرم کرتی، جماتی، بلوتی، چھاچھ بیچتی - گھر کے اندر کا
سارا کام سنبھالتی تھی - اس لئے وہ بڑھیا اس بندر بندریا کو ہی
لڑکا لڑکی سمجھتی تھی - یہ دونوں اُس بڑھیا کے سہارے تھے -
اتفاق سے پیدرا سی پیدما کے گھر وہ بھائی بہن پہنچ گئے۔
وہ جنگل میں پھرتے پھرتے بہت تھک گئے تھے۔ دیکھنے میں
کسی شاہی گھرانے کے نظر آتے تھے - اُس بڑھیا نے دودھ
وغیرہ پلا کر انھیں پناہ دی - اُسی دن سے یہ دونوں بھائی
بہن بھی اُس بڑھیا کا سہارا بن گئے - بڑھیا بھی انھیں
اپنی لڑکی اور لڑکا ماننے لگی - کچھ دن اس طرح سکھ چین
کے ساتھ گذر گئے

اُس بڑھیا کے گھر ہر روز سات گھڑے دودھ ہوتا تھا
اسے گرم کرنا، جمانا وغیرہ بھاری کام تھا - اُسے بندریا سنبھالتی
تھی - ایک دن دودھ گرم ہو رہا تھا - اچانک بندریا اُس میں
گر پڑی - وہ اسی وقت مر گئی - اس سے بندر کو بھاری دُکھ
ہُوا - جوڑے کے بغیر اُس سے رہا نہیں گیا - اکیلا رہنا بے کار
سمجھ کر اُسی گرم دودھ میں پڑ کر بندر بھی بندریا کے پاس پہنچ
گیا - ان دونوں کی موت سے بڑھیا کو بہت دُکھ ہوا - لڑکی
اور لڑکے کے سہارے وہ زندہ رہ گئی نہیں تو وہ بھی
مر جاتی - دونوں کا شرادھ اور کریا کرم طریقے کے مطابق

کیا گیا۔ کچھ دن کے بعد پیدراسی پیدما کی بھی موت ہو گئی۔ اُس کا بھی شرادھ اور کریا کرم طریقے کے مطابق بھائی بہن نے کر دیا۔

اب یہ بھائی بہن اُس بڑھیا کی جائداد کے مالک بن گئے۔ بھائی ہر روز گائیں چراتا تھا۔ اور دودھ دوہ کر گھر میں رکھتا تھا۔ بہن دودھ گرم کرتی، جماتی، بلوتی۔ بہن کو ایک عادت سی پڑ گئی تھی کہ وہ دودھ گرم کرتے کرتے سو جاتی تھی۔ ٹھیک اُسی موقع پر اُس کے منہ سے وہ سانپ۔ جو اُس کے پیٹ میں پڑا رہا تھا۔ نکلتا ان سات برتنوں کا دودھ پی جاتا اور پھر لڑکی کے پیٹ میں چلا جاتا۔ لڑکی جب نیند سے اُٹھ کر دیکھتی تو دودھ کی ایک بھی بوند نہ ملتی۔ اُس کی حیرانی کا ٹھکانا نہ رہتا۔ بھائی کو بھی یہ جان کر حیرانی ہوئی کہ اتنا دودھ کہاں چلا جاتا ہے؟ آخر اپنی بہن پر بھی شک ہوا کہ کہیں یہ پہلی تو

بس بیٹھنے کی دیر تھی کہ اس کے منہ سے بھاری
اور ساتوں برتنوں کا دودھ ایک پل میں پی گیا۔

نہیں لیتی ہے۔ لیکن اس بات پر بھی اُسے پوری طرح یقین نہیں آیا۔ وہ سوچنے لگا بھلا اکیلی لڑکی سات برتنوں کا دودھ کس طرح پی سکتی ہے؟ خیر کچھ بھی ہو۔ بھائی نے فیصلہ کر لیا کہ اس کا پتہ لگانا ہی چاہیئے۔

دوسرے دن ٹھیک وقت پر صبح صبح ساری گایوں کا دودھ نکالا گیا اور سات برتنوں میں بھر کر رکھ دیا گیا۔ اُس دن بھائی گائیں چرانے نہیں گیا۔ وہ دودھ کے غائب ہونے کا پتہ لگانا چاہتا تھا۔ اس لئے گھر کے ایک کونے میں چھپ کر بیٹھا رہا۔

آج بھی بہن نے سات برتنوں کا دودھ سات چولھوں پر چڑھایا اور خود لیٹ گئی۔ بس لیٹنے کی دیر تھی کہ اُس کے مُنہ سے بھاری سانپ نکل آیا اور ساتوں برتنوں کا دودھ ایک پل میں پی گیا بھائی چُھپ کر یہ تماشہ دیکھ رہا تھا۔ جُونہی وہ سانپ پلٹ کر بہن کے مُنہ کی طرف بڑھنے لگا۔ اُس نے تلوار سے کاٹ کر اُس کے تین ٹکڑے کر دیئے اُن ٹکڑوں کو اُس نے شہر کے جنوب کی جانب دُور لے جا کر پھینک دیا پیچھے سے جب بہن انگڑائی لیتی ہوئی جاگی تو وہ سُستی محسوس کرنے لگی۔ اتنے میں بھائی آیا اور بہن سے بولا:۔"دیکھو بہن اگر تمھیں شہر کے باہر جانا ہو تو شمال مغرب اور مشرق کی طرف جانا لیکن جنوب کی طرف اب

بہن کے دل میں شک پیدا ہوا کہ بھائی نے جنوب کی طرف جانے سے کیوں روکا ہے؟ وہ یہ جاننا چاہتی تھی۔ اُس کے لئے جنوب خود ایک سوالیہ نشان بن گیا۔ وہ اپنی اس خواہش کو روک نہ سکی۔

ایک دن صبح صبح وہ جنوب کی جانب چل ہی پڑی۔ وہاں سانپ کے جو تین ٹکڑے پھینکے گئے تھے۔ وہ پھولوں کے تین پودے بنے ہوئے تھے۔ اُن پر خوبصورت دل کش پھول کھلے ہوئے تھے۔ وہ لڑکی جو ٹھہری۔ دیکھتے ہی اُس کا دل للچا اُٹھا۔ وہ انھیں توڑ لائی۔ اُن پھولوں کو خوشی خوشی اس نے اپنے بھائی کے جوڑے میں لگا دیا جونہی جوڑے میں لگایا اُس کا بھائی بارہ سروں والا ناگ بن کر بھاگ نکلا اور پاس کے ایک بل میں گھس گیا۔ لڑکی اچنبھے میں آگئی۔ وہ اکیلی رہ گئی اور رونے لگی۔ اتنے میں ایک راجکمار گھوڑے پر سوار ہو کر اُس رستے سے آنکلا۔ اُس نے روتی ہوئی لڑکی کو دیکھا اور اس سے رونے کا سبب پوچھا۔ لڑکی نے سارا حال کہہ سنایا۔ سارا حال سُن کر راجکمار نے کہا۔ "اے راجکماری تمہارے بھائی کو میں واپس لا دوں گا لیکن شرط یہ ہے۔ کہ تمھیں میرے ساتھ شادی کرنی ہوگی" بےچاری لڑکی مجبور تھی کرتی کیا؟ اُس نے راجکمار کی شرط

مان لی ۔

راجکمار نے بہت سے سپیروں کو بلایا اور وہ بانبی جس میں بارہ برسوں دبا ہنگ گس گیا تھا کھدوائی گئی اُس میں سے ہزاروں سانپ نکلے ۔ لیکن ایک کے سر پر پھول دیکھ کر راجکماری چلّا اٹھی کہ یہی میرا بھائی ہے ۔ راجکمار نے سپیروں کے ذریعے سانپ کے سر سے پھول نکلوا دیا ۔ جونہی پھول نکال دیا گیا اُس کا بھائی سامنے کھڑا ہو گیا ۔ بہن سے سارا حال سن کر بھائی کی حیرانی کا ٹھکانا نہ رہا ۔

بعد میں بھائی نے اپنی بہن کا بیاہ اُس راجکمار کے ساتھ بڑی دھوم دھام سے کیا وہ سُکھ چین سے رہنے لگے ۔
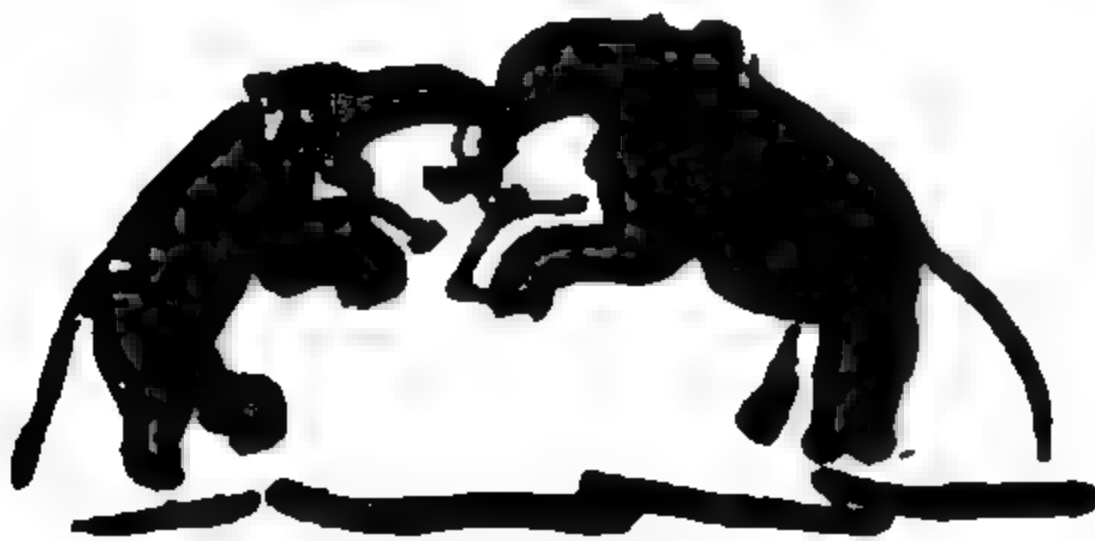
خدمت کا انعام

کسی نگر میں ایک راجہ راج کرتا تھا۔ اس کی دو نہایت خوبصورت راجکماریاں تھیں ۔ اسی نگر میں ایک سادھو ہر روز بھیک مانگنے آیا کرتا تھا۔ دونوں راجکماریاں اُسے بھیک دینے جاتی تھیں۔ سادھو بڑی راجکماری کو تو آشیرباد دیتا کہ سدا سہاگن رہو۔ لیکن چھوٹی راجکماری سے کہتا کہ سدا خوش رہو۔ رانی نے جب کئی دنوں تک ایسی بات سُنی تو اُنھوں نے سادھو کو بُلایا اور اس کا سبب پُوچھا۔

سادھو نے کہا:۔"چھوٹی لڑکی کا سہاگ قائم نہیں رہے گا۔ بیاہ کے ایک برس بعد ہی وہ بیوہ ہو جائے گی۔"

یہ سُن کر رانی بہت دُکھی ہوئی اور اُس نے سادھو سے اس کا علاج پُوچھا۔ بہت منت سماجت کے بعد اُس سادھو نے بتایا کہ یہاں سے سات سمندر پار ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے۔ وہاں ایک نہایت شان دار چمکیلی عمارت ہے۔ جس میں

ایک بُڑھیا رہتی ہے۔ اس کے سات بیٹے اور سات بہوئیں ہیں
راجکماری وہاں جاکر ایک برس تک بُڑھیا کی خُوب خدمت کرے
جس سے بُڑھیا خوش ہو گی پھر راجکماری اُسے اپنے ملک میں
لے آئے اُس کے ہاتھوں سے راجکماری کی مانگ میں
سیندور لگوانے سے اس کا سہاگ سدا قائم رہے گا۔"

یہ بات سُن کر رانی نے راجہ کو بُلوایا اور ساری باتیں
راجہ سے کہیں۔ راجہ سوچ میں پڑ گیا کہ راجکماری اس جزیرے
تک کس طرح پہنچ سکتی ہے۔ اور وہاں وہ کس ڈھنگ سے
رہ کر بڑھیا کی خدمت کرے گی؟ اس زمانے میں سٹیمر
وغیرہ تو تھے نہیں جن کے ذریعے راجکماری سات سمندروں کو
پار کرتی۔ اس لئے دوسرے دن سادھو جب بھیک مانگنے
آیا تو راجہ نے اُسے اپنے محل میں بُلوایا اور اس جزیرے تک
پہنچنے کی ترکیب پُوچھی۔ سادھو نے راجہ کو سات موتی دیئے
اور کہا:۔"ہر ایک سمندر میں ایک موتی ڈال دینے سے سمندر
میں کمر تک پانی ہو جائے گا۔ اور راجکماری سمندر پار کر
لے گی۔" اس کے بعد سادھو نے اُسے ایک سپاری دی
اور کہا:۔"اس سپاری کو مُنہ میں ڈال لینے سے راجکماری
اوجھل ہو جائے گی۔ وہ سب کو دیکھ سکے گی لیکن اُسے
کوئی نہ دیکھ سکے گا۔ اس طرح وہ بُڑھیا کے مکان میں

اوجھل رہ کر اُس کی خدمت کر سکے گی"۔ راجہ سادھو سے بہت خوش ہوا اور اس نے اس کی بہت آؤ بھگت کی۔

اس کے دوسرے دن مبارک گھڑی میں راجکماری نوکروں کے ساتھ رتھ پر بیٹھ کر جزیرے کی طرف چل پڑی۔ بہت دور چلنے کے بعد اُسے ایک سمندر ملا۔ سمندر کے کنارے پہنچ کر وہ رتھ سے اُتر پڑی۔ اُس نے رتھ اور نوکروں کو واپس بھیج دیا

اب راجکماری نے ایک موتی سمندر میں ڈال دیا ایسا کرنے سے خوب زور سے آندھی آئی اور سمندر کا پانی آہستہ آہستہ کم ہونے لگا۔ کم ہوکر وہ راجکماری کی کمر تک آ گیا اور اب آندھی بھی تھم گئی۔ راجکماری نے بہت آسانی سے سمندر کو پار کیا اسی طرح اُس نے ساتوں سمندر پار کر لئے اور وہ اس جزیرے کے بالکل نزدیک پہنچ گئی۔ کچھ دور چلنے کے بعد اُسے ایک چمکیلا مکان دکھائی دینے لگا۔ اُسے دیکھ کر وہ نہایت خوش ہوئی اور جلد ہی اُس کے قریب پہنچ گئی۔ اُس نے سادھو کی دی ہوئی سپاری کو منہ میں رکھ لیا۔ جس سے وہ اوجھل ہو گئی۔ اس کے بعد وہ محل میں داخل ہوئی۔ وہ محل اندر سے بھی بہت شاندار تھا۔

اس پر راجکماری سنہ بک ـ "میں چاہتی ہوں کہ میرا سہاگ سدا قائم رہے۔"

پہلے دن تو راجکماری نے کچھ نہیں کیا۔ اُس نے سب کچھ اچھی طرح دیکھ سُن لیا۔ اُس نے دیکھا کہ بُڑھیا کی بہوؤں میں کام کرتے وقت بہت لڑائی جھگڑا ہوتا ہے جس سے بُڑھیا اُن سب سے بہت ناراض اور دُکھی رہتی ہے۔ یہ دیکھ کر راج کماری نے سوچا کہ یہ تو میرے لئے بہت اچھا موقع ہے۔ دوسرے دن سے وہ چُھپ کر سب کام ختم کر دیتی اور کسی کو کچھ پتہ بھی نہ لگ سکتا تھا کہ کس نے ایسا کیا۔ بُڑھیا کا بھی سارا کام وہ بہت اچھے ڈھنگ سے کر دیتی تھی۔ اس طرح ایک برس تک اُس نے بڑھیا کی خوب خدمت کی آخری دن جب وہ کھانا پکانے لگی۔ تو اُس نے کھیر میں کھانڈ کی جگہ نمک ڈال اور دال اور بھاجی میں کھانڈ ڈال دی اِس طرح اُس نے کھانے اُلٹے ڈھنگ سے بنا کر پروس دیئے جب بُڑھیا کھانے بیٹھی تو وہ بہت غصّہ میں آئی۔ اُس نے سب سے پُوچھا: کہ آج کس نے کھانا پکایا ہے؟ ایک سال تک کس نے میری اِتنی خدمت کی ہے"

سب نے کہہ دیا کہ ہم نے ایک سال سے کچھ بھی کام نہیں کیا نہ آج ہی کچھ کیا ہے

بُڑھیا بہت پرسن ہوئی اور اُس نے کہا: "جو اتنے دنوں تک میری خدمت کرتا رہا ہو وہ سامنے آ جائے میں اُس سے بہت خوش ہوں۔ وہ جو چاہے مانگ سکتا ہے۔"

اس پر راج کماری نے منہ سے سپاری نکال لی اور وہ بڑھیا کے سامنے آگئی اُس نے کہا: -"میں چاہتی ہوں کہ میرا سہاگ سدا قائم رہے۔" بُڑھیا نے اُسے آشیرباد دیا اور اُس کی بات کو خوشی سے مان لیا۔ وہ راج کماری کے ساتھ اُس کے مُلک میں گئی۔ وہاں پہنچنے پر سارے ملک میں خوب خوشیاں منائی گئیں۔ بہت دھوم دھام سے راجہ نے راج کماری کا بیاہ کیا بُڑھیا نے اس کی مانگ میں سیندور لگا دیا۔ جس سے وہ سدا کے لئے سُہاگن ہو گئی۔

جس جزیرے میں پہلے بڑھیا رہتی تھی۔ وہاں پہلے کوئی نہیں تھا۔ صرف بڑھیا کا ہی خاندان تھا لیکن بڑھیا راج کمار راج کماری کو اُس جزیرے میں لے گئی

اُس نے اُنھیں ایک خوبصورت محل رہنے کو دیا۔
چند سالوں میں وہاں بہت سے لوگ رہنے لگے
جزیرہ بہت ترقی کر گیا۔

اس کتاب کے لکھنے والے

مبارک علی۔ ہندی کے ایک ہونہار مسلم مصنف ہیں۔ آپ کی زبان بامحاورہ ہے اور طرز سادہ ہے۔ آپ بچوں کے ادب میں خاص دلچسپی رکھتے ہیں۔

ساوتری دیوی ورما۔ بچوں کی نفسیات پر آپ کا "منا" (تین جلد) کتاب آپ کی تصنیف ہے۔ بچوں کے ادب میں کتھا بھارتی ' جنگل جیوتی ' (شکسپیر) کہانیاں ' کتھا کہانی ' (بال پنچ تنتر) اور اتر پردیش کی لوک کتھائیں ' وغیرہ چھپ چکی ہیں۔ کسانوں پر ایک کتاب ۴۰۰ صفحے کی چھپنے والی ہے۔ گھریلو مسئلوں پر بھی آپ نے کافی لکھا ہے۔ عورتوں کی خوبصورتی پر آپ کے کئی مضمون چھپ چکے ہیں۔

رام چندر شرما آپ ہندی کے ہونہار مصنف ہیں۔ آپ کی کئی ایک کہانیاں "بال بھارتی" میں چھپ چکی ہیں اس وقت آپ بھارت سرکار کے "پبلی کیشنز ڈویژن" میں کام کر رہے ہیں

من متھ ناتھ گپت بال بھارتی ' کے سابق ایڈیٹر — آپ کئی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں الگ الگ ایک درجن ناول ہیں۔ بچوں کے ادب میں یہ کتابیں چھپ چکی ہیں۔ (۱) فرانس کی لوک کتھائیں (۲) بنگال کی
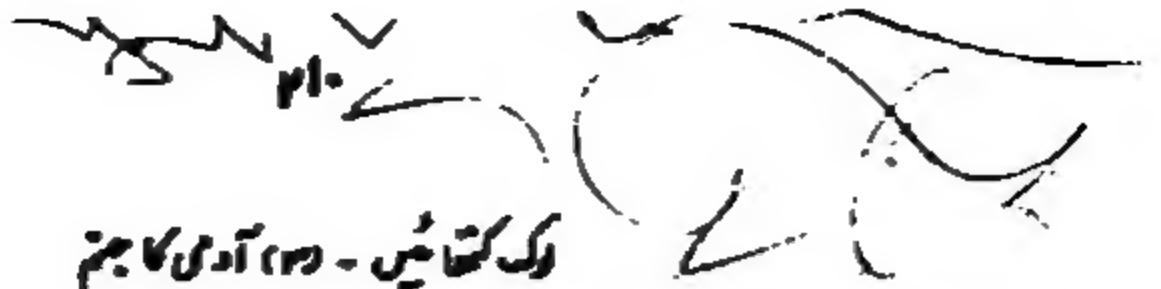
شچی رانی گرٹو
آپ ہندی کی ایک مشہور لکھنے والی ہیں۔ آپ کو "ساہتیہ درشن" نامی کتاب پر بھارت سرکار سے انعام ملا ہے۔ آپ کی دیگر کتابیں "دشو کی انسان کہانیاں"، "مہادیوی ورما" وغیرہ ہیں

چندر کرن سون رکسنا
آپ ہندی کی مشہور افسانہ نویس ہیں۔ آپ ساہتیہ سمیلن سے انعام پاچکی ہیں۔ آپ کی کئی مجموعے چھپ چکے ہیں۔

ویریندر گوپال
آپ ہندی کے ہونہار مصنّف ہیں۔

ظہور بخش
ہندی کے ایک پرانے اور معروف مُسلم مصنّف ہیں۔ آپ کی طرز بہت ہی سچّی اور زبان بامحاورہ ہوتی ہے۔ "بال بھارتی" میں آپ کے کئی ایک مضامین چھپ چکے ہیں۔

بھیشم ساہنی
آپ ہندی کے ایک مشہور افسانہ نویس ہیں۔

یدھشٹر کمار
آپ ہندی کے ہونہار مصنّف ہیں۔ آل انڈیا ریڈیو کے دلّی اسٹیشن پر بہت دنوں تک "سکول براڈ کاسٹ پروگرام" کے انچارج رہے ہیں۔

بھگوان چندر گپت
ایک ہندی لکھنے والے

اگنتے چندر شرما
راجستھان کے ایک ہونہار مصنّف ہیں۔

شوبھنا مہتہ
ہندی کی ایک ہونہار لکھنے والی ہیں۔ آپ بچّوں کے ادب میں خاص دلچسپی رکھتی ہیں۔

نندلال چھتّا
ہندی کے ہونہار مصنّف ہیں۔ بچّوں کے ادب میں آپ کی کتابیں چھپ چکی ہیں۔ "کشمیر کی لوک کتھائیں"، "ویر بالک" (بچّوں کے

ایک ایکٹ کے ڈراموں کا مجموعہ) "رام راجیہ کے پیچھے پڑ"۔

شانتی گپتا ہندی کی ہونہار مصنف ہیں۔ آپ دلّی کی ایک مشہور اور کامیاب وکیل خاتون ہیں۔

ہنس راج رہبر اردو ہندی کے کامیاب مصنف۔ پریم چند جی پر آپ کی ایک کتاب چھپ چکی ہے۔ آپ کے کئی ایک ناول اور کہانیوں کے مجموعے بھی شائع ہوئے ہیں۔

ٹی، این، ایس سیتارامن آپ کی زبان تامل ہے۔ لیکن ہندی سے آپ کو بہت لگاؤ ہے۔ آپ بچوں کے ادب میں خاص دل چسپی رکھتے ہیں۔ 'بال بھارتی' میں آپ کے کئی ایک مضامین چھپ چکے ہیں۔

سنسکرت کے ایک عالی رتبہ مصنف ہیں، عالم ہیں اور ہندی ساہتیہ سمیلن کے پرانے کارکن ہیں۔ آپ نے سنسکرت کی کئی ایک کتابوں کا ہندی میں کامیاب ترجمہ کیا ہے۔

پچولا وشنو آپ کی مادری زبان تیلگو ہے۔ ہندی میں بھی آپ نے لکھنا شروع کیا ہے۔ آپ ایک ہر دلعزیز کارکن بھی ہیں۔

ارملا کماری 'بال بھارتی' میں لکھنے والی ایک بچی